سیر گولکنڈہ

سیر گولکنڈہ

طلبہ کے لئے

تیسرا ایڈیشن

از

سید محیؔ الدین قادری زورؔ
صدر شعبۂ اردو جامعۂ عثمانیہ

طبع سوم

مطبوعہ
انتظامی پریس حیدرآباد دکن
۱۹۴۲ء

مصنّف کی دوسری کتابیں

اُردو کے اسالیبِ بیان
اُردو شہ پارے
روحِ تنقید
تنقیدی مقالات
عہدِ عثمانی میں اُردو کی ترقی
ادبی تاثرات
باغ و بہار
طلسمِ تقدیر
گولکنڈے کے ہیرے
سرگزشتِ غالب
روحِ غالب

ہندوستانی لسانیات
ہندوستانی صوتیات
فنِ انشا پردازی
گارساں دتاسی
حیاتِ محمد قلی قطب شاہ
حیاتِ میر محمد مومن
کیفِ سخن
بادۂ سخن
متاعِ سخن
مکتوباتِ شاد عظیم آبادی
کلیاتِ محمد قلی قطب شاہ

فہرست

دیباچہ ۷ تا ۱۶

سیرِ گولکنڈہ کا یہ تیسرا ایڈیشن

طالب علموں کے لئے چھاپا گیا ہے

اس میں پہلے اور دوسرے

ایڈیشنوں کے بہت سے ایسے حصے

حذف کر دئے گئے ہیں جن کا

مطالعہ طلبہ کے لئے غیر ضروری

سمجھا گیا۔

گولکنڈہ کے کھنڈروں کے نام

جو زبانِ حال سے اپنی

عظمتِ ماضی کی داستان

سُناتے ہیں

ذ

گولکنڈہ

(علامہ اقبال مرحوم کی ایک طویل نظم کے چند شعر)

آہ جولاں گاہ عالمگیر یعنی وہ حصار — دوش پر اپنے اٹھائے سیکڑوں صدیوں کا بار
زندگی سے تھا کبھی معمور اب سنسان ہے — یہ خموشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے

اپنے سکانِ کہن کی خاک کا دلدادہ ہے
کوہ کے سر پر مثالِ پاسباں استادہ ہے

خوابگہ شاہوں کی ہے یہ منزلِ حسرت فزا — دیدۂ عبرت! خراجِ اشکِ گلگوں کر ادا
ہے تو گورستاں، مگر یہ خاک گردوں پایہ ہے — آہ! اک برگشتہ قسمت قوم کا سرمایہ ہے
مقبروں کی شان حیرت آفریں ہے اس قدر — جنبشِ مژگاں سے ہے چشمِ تماشا کو حذر

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں
جو اتر سکتی نہیں آئینۂ تحریر میں

سوتے ہیں خاموش آبادی کے ہنگاموں سے دور — مضطرب رکھتی تھی جن کو آرزوئے ناصبور
قبر کی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک — جن کے دروازوں پہ رہتا تھا جبیں گستر فلک
کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا مآل — جن کی تدبیرِ جہاں بانی سے ڈرتا تھا زوال
اشک باری کے بہانے ہیں یہ اجڑے بام و در — گریۂ پیہم سے بینا ہے ہماری چشمِ تر

دل ہمارے یادِ عہدِ رفتہ سے خالی نہیں
اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں

دیباچہ

نیم تاریخی افسانوں کے اس مجموعہ میں گولکنڈہ کی عظمت کو وہاں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال کر ایک حد تک بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس سرزمین کے قطب شاہی حکمرانوں کی اُن لازوال خدمات کی جھلکیں دکھائی گئی ہیں جن کی وجہ سے اس ملک کی تاریخ ادبی، تمدنی، معاشرتی اور عمرانی نقطۂ نظر سے دُنیا کی بہتر سے بہتر اور ترقی یافتہ ممالک کی تاریخوں کے پہلو بہ پہلو رکھی جا سکتی ہے اور رکھی گئی ہے۔

قطب شاہی خاندان کی حکومت اس سرزمین پر قریب دو سو سال یعنے ۹۱۰ھ سے ۱۰۹۸ھ تک رہی اور اس عرصہ میں ان حکمرانوں نے یہاں تہذیب و تمدن تمول و ثروت، علم و فضل اور شعر و سخن کی ایک ایسی فضا پیدا کر دی جس پر دکن کی تاریخ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ ان بادشاہوں نے شیعہ و سُنی اور مسلمان و ہندو غرض ہر مذہب و ملت کے باشندوں میں ایک مشترک کلچر کے پیدا کرنے میں یہاں تک کامیابی حاصل کی تھی کہ دوسروں کے لئے اس ملک کے رہنے والوں کا باہمی اتحاد و یگانگت باعثِ رشک تھی۔ اسی موانست و مفاہمت کی خاطر انھوں نے اُردو کی سرپرستی کی اور اس زبان میں ایسی ایسی بلند پایہ کتابیں لکھیں اور لکھوائیں جن پر اُردو ہمیشہ نازاں رہے گی۔

یوں تو قطب شاہی سلطنت کے بانی سلطان قلی کا تعلق اس سرزمین سے ۸۹۸ھ میں پیدا ہو چکا تھا جب وہ تلنگانہ کا صوبہ دار بنایا گیا تھا لیکن جب ۹۱۰ھ میں گولکنڈہ اور

اور اس کے اطراف واکناف کا علاقہ اس کو بطور جاگیر کے دیا گیا تو اس نے اس کا نام محمد نگر رکھا اور قدیم قلعہ کو مستحکم کرکے اس میں متعدد محلات تعمیر کئے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ اپنے علاقہ کو وسیع کرنا شروع کیا چنانچہ بیس بائیس سال کے عرصہ میں پانگل، گھن پورہ، کویل کنڈہ اور بلگندل وغیرہ اس کے قبضہ میں آگئے۔ ۹۲۴ھ میں اس نے قلعہ میں بالا حصار کے دامن میں وہ مشہور "مسجد صفا" بنائی جس میں آخرکار ۹۵۰ھ میں اس کے فرزند یار قلی جمشید کے اشارہ سے سلطان قلی قطب شاہ کو ننانوے سال کی عمر میں عصر کی نماز پڑھتے وقت شہید کیا گیا۔ اس نے دوسرے صوبہ داروں کی طرح بہمنی بادشاہ کے خلاف علمِ بغاوت نہیں بلند کیا بلکہ آخر تک اُن کی مدد کرتا رہا اور جب بریدیوں نے بہمنیوں پر پوری طرح قبضہ کرلیا تو مجبوراً سلطان قلی کو بھی اپنی بادشاہت کا اعلان کرنا پڑا۔

سلطان قلی کو فنِ تعمیر کا خاص ذوق تھا۔ اس نے قدیم قلعہ (موجودہ بالا حصار) کے اطراف ایک عالیشان شہر بنایا اور اصل میں وہی اس طرزِ تعمیر کا بھی بانی ہے جو قطب شاہی کہلاتا ہے اور ایرانی، ہندو اور پٹھان طرزہائے تعمیر کے امتزاج سے بنا ہے اس کی وفات کے وقت اُس کی سلطنت شمال میں دریائے گوداوری، مشرق میں اڑیسہ اور ساحلِ سمندر اور جنوب میں دریائے کرشنا تک پھیل چکی تھی۔

جمشید قلی قطب شاہ تخت نشین ہوتے ہی اپنی سلطنت کے استحکام و وسعت میں مصروف ہوگیا اگرچہ اس کا سات سال کا مختصر سا عہدِ حکومت زیادہ تر جنگ و جدل سخت گیری اور پریشانیوں میں گزر گیا لیکن اس نے نارائن کھیڑ، احسن آباد اور میدک پر قبضہ کرکے قطب شاہی سلطنت میں اضافہ کیا۔ وہ شاعر بھی تھا۔ لیکن اُس کے عہد میں گولکنڈہ اُردو شعر و سخن کا مرکز نہ بن سکا۔ اس کی وفات ۹۵۷ھ پر اس کے کمسن لڑکے سبحان قلی کو تخت نشین کیا گیا لیکن چند ماہ بعد ہی اس کا دوسرا بھائی ابراہیم قلی کوئل کنڈہ کے نائک واڑیوں کی مدد سے قلعہ گولکنڈہ میں داخل ہوا اور اپنے بھائی کے مظالم کی تلافی کرنے میں مصروف ہوگیا۔

سلطان ابراہیم قلی قطب شاہ کی شخصیت کو دکن کی سیاست میں نمایاں حیثیت حاصل ہے ۔ اسی کے زمانہ میں ۹۷۲ھ میں تالی کوٹ کی مشہور لڑائی ہوئی جس میں وجیانگر کی عظیم الشان سلطنت کا خاتمہ ہوگیا اور اس کے ساتھ گولکنڈہ کو مال و دولت اور سیاسی حیثیت سے کافی اہمیت حاصل ہوگئی بعد میں ابراہیم قطب شاہ نے راجمندری قاسم کوٹہ اور کھمم میٹھ وغیرہ کے علاقے بھی فتح کئے۔ اس نے ۹۸۸ھ میں انتقال کیا۔ اس کو بھی اپنے باپ کی طرح تعمیر کا شوق تھا چنانچہ بالاحصار کی سیڑھیوں کی مسجد، موسیٰ ندی کا پہلا پل، حسین ساگر، بدویل کا تالاب، ابراہیم باغ، باغِ گلشن اور قصبہ ابراہیم پٹن اسکی تعمیری یادگار ہیں۔ اس کے عہد میں گولکنڈہ اُردو زبان کا مرکز بن گیا اور فیروز، محمود احمد اور وجہی جیسے بلند پایہ شعراء اسی کی قدر دانی اُردو کی وجہ سے متعدد بیش بہا کتابیں اس زبان میں تصنیف کر سکے۔

ابراہیم کے بعد اس کا تیسرا لڑکا سلطان محمد قلی تخت نشین ہوا جس نے ۹۹۹ھ میں اپنی محبوبہ بھاگ متی کے نام پر بھاگ نگر کی بنا ڈالی اور عالی شان محلات، حمام، مساجد، مدارس اور بازار وغیرہ تعمیر کئے۔ بھاگ نگر کے اطراف واکناف بیس میل تک باغات بنائے گئے۔ نرکھوڑہ، ابراہیم پٹن، بھونگیر اور پٹن چرو اس شہر کے حدود پر واقع تھے۔ سترہ برس کے بعد غالباً اپنی اکلوتی لڑکی شہزادی حیات بخشی بیگم کی شادی کے موقع پر بادشاہ نے اس پری بستی بھاگ نگر کا نام حیدرآباد قرار دیا۔

محمد قلی قطب شاہ نے ۱۰۱۰ھ میں سلمرگ اور نندیال وغیرہ فتح کیا۔ اس کے زمانے میں گولکنڈہ ہر لحاظ سے معراجِ کمال کو پہنچ گیا۔ شاہ عباس صفوی کا سفیر اغزلو سلطان اسی عہد میں گولکنڈہ آیا تھا۔ علم وفضل اور شعر وسخن کے لحاظ سے بھی یہ دور دکن کا عہدِ زریں سمجھا جاتا ہے۔ اسی دور میں اُردو نے قطب شاہی سلطنت اور خاص کر گولکنڈہ اور حیدرآباد میں معراجِ کمال حاصل کیا اور اس سرزمین نے تمدن ومعاشرت

لئے وہ تمام منازل طے کر لئے جو کسی ملک کو متمدن اور شائستہ ثابت کرتے ہیں۔ اسی زمانہ میں گولکنڈہ مختلف اقطاع عالم کے سیاحوں اور علماء و فضلاء کا مرجع و مامن بھی بن گیا تھا۔

سلطان محمد قلی نے جنگ وجدل سے زیادہ امن و امان اور ملک کی وسعت سے زیادہ اہل ملک کی خوش حالی اور رعایا کی تعلیمی ترقی پر زور دیا۔ وہ خود بہت بڑا شاعر اور قدر دان سخن تھا۔ اس نے تین زبانوں فارسی، اُردو اور تلنگی میں اپنے دیوان مرتب کئے تھے۔ اُس کا اُردو کلام نہایت اعلیٰ پایہ ہے۔ اس کا دربار شاعروں سے معمور تھا۔ اس کے عہد سے متعلق بھی اس مجموعہ میں ایک مضمون شامل ہے جو شک محل کی تعمیر سے متعلق ہے۔ اس کا اُردو دیوان چھپ چکا ہے جس میں ہزار سے زیادہ صفحات ہیں

حیدرآباد کی اکثر عمارتیں اسی صاحب ذوق بادشاہ کی یادگار ہیں۔ ان میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں:- چار مینار، چار کمان، چارسو کا حوض، دارالشفا، جامع مسجد داد محل، ندی محل، نبات گھاٹ، باغ دلکشا، خداداد محل (جو ہفت منزلہ تھا اور ہر منزل کا نام جدا تھا مثلاً الٰہی محل، محمدی محل، حیدری محل، حسینی محل، حسنی محل، جعفری محل اور موسوی محل) باغ محمد شاہی، کوہ طور، جنان محل اور بادشاہی عاشور خانہ وغیرہ۔

محمد قلی قطب شاہ کے بعد اس کا بھتیجا اور داماد سلطان مرزا سلطان محمد قطب شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس کی شادی حیات بخشی بیگم بنت سلطان محمد قلی کے ساتھ ۱۰۱۶ھ میں نہایت تزک و احتشام سے ہوئی تھی۔ اس کا عہد حکومت بھی امن و امان اور خوش حالی میں گزرا۔ اس کے دور میں شہزادہ خرم نے جو بعد میں شاہجہاں کے لقب سے جہانگیر کا جانشین ہوا باپ سے بغاوت کر کے اور اس کی فوجوں سے ہزیمت پا کر قطب شاہی سلطنت میں پناہ لی تھی۔ سلطان محمد نے اس کے ساتھ ہمدردی کی اور ایسے وقت اس کی رقمی امداد کی جبکہ وہ بالکل محتاج تھا اور اکثر رفیقوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

سلطان محمد قطب شاہ نے اپنے چچا کی قدردانی شعروسخن کو جاری رکھا لیکن وہ شاعر ہونے کے علاوہ عالم وفاضل بھی تھا۔ اس نے شعروسخن اور علم وفضل کیساتھ زہد وتقویٰ اور اخلاق وآداب کا بھی خاص لحاظ رکھا۔ اسی کے عہد میں اس خاندان کی مشہور تاریخ "سلطان محمد قطب شاہی" لکھی گئی اس کے دور میں بھی دکن کے حکمرانوں کے علاوہ جہانگیر اور شاہ عباس صفوی کے سفراء گولکنڈہ آئے تھے۔ اس کے عہد کے اردو شاعروں میں وجہی کے علاوہ غواصی اور ابن نشاطی کے نام خاص کر قابل ذکر ہیں

یہ عجیب بات ہے کہ سلطان محمد کو بھی اپنے اجداد کی طرح فن تعمیر سے خاص شغف تھا۔ اس نے قلعہ محمد نگر گولکنڈہ کے مقابل میں حیدرآباد کے مشرقی جانب چھ میل کے فاصلہ پر ایک قلعہ سلطان نگر کی ۱۰۳۰ھ میں بنا ڈالی لیکن اس کا بہت جلد انتقال ہوگیا اور وہ قلعہ ناتمام رہا۔ اس کے علاوہ اسی سلطان نے مکہ مسجد محلہ سلطان شاہی اور گوشہ محل کی بھی بنا ڈالی تھی مگر اس کا کوئی کام اس کی زندگی میں تکمیل نہ پاسکا۔ اس کی جواں مرگی نے اس کو ہر طرح حرمان نصیب کیا۔ اگر وہ چند سال اور زندہ رہ جاتا تو گولکنڈہ کی سلطنت اس قدر جلد زوال پذیر نہ ہونے پاتی۔ اس کتاب میں اس کے متعلق دو مضمون مکہ مسجد اور نتھی ساوتری؟ شامل تھے لیکن طلبہ کے ایڈیشن سے دوسرا مضمون حذف کردیا گیا ہے۔

سلطان محمد کے بعد اس کا اکلوتا لڑکا عبداللہ مرزا ۱۰۳۵ھ میں بارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اور بادشاہ کی یہ کم عمری اور ناتجربہ کاری قطب شاہی سلطنت کی کمزوری کا باعث ہوئی۔ سلطان عبداللہ کی کمزوریوں سے سب سے زیادہ محمد سعید میر جملہ نے فائدہ اٹھایا آخرکار جب بادشاہ نے اس سرکش کا استیصال کرنا چاہا تو اس نے شہزادہ اورنگ زیب کے یہاں پناہ لی اور قطب شاہی سلطنت اور اس کے حکمران کے پوشیدہ رازوں سے غنیم کو واقف کردیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

گولکنڈہ کی آزادی قائم نہ رہ سکی اور اس کی عظمت وشوکت کا آفتاب غروب ہونے لگا۔

ان سیاسی پریشانیوں کے علاوہ سلطان عبداللہ کے عہد میں حیدرآباد کو ایک تباہ کن قحط اور پھر ایک زبردست طغیانی رودموسیٰ کی وجہ سے بھی سخت صدمے اُٹھانے پڑے لیکن ان صدموں سے بڑھ کر اہل حیدرآباد اس پریشانی اور ذلت سے متاثر ہوئے جو ۱۰۶۶ھ میں میرجملہ کی وجہ سے اورنگ زیب کے حملہ کی شکل میں نمودار ہوئی اس وقت مغلوں نے لوٹ مار کے سلسلے میں حیدرآباد کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور تمام شہر کو تباہ کرکے چھوڑا۔

غرض عبداللہ قطب شاہ کی زندگی پریشانیوں اور کشمکشوں میں گزر گئی۔ وہ آخر دم تک اولاد نرینہ کا متمنی رہا اور اسی یاس وامید میں ایک پوری نصف صدی گذاردی۔ پچاس سال کی طویل حکومت کے بعد سلطان عبداللہ نے ۱۰۸۳ھ میں انتقال کیا اور دراصل اسی کے ساتھ قطب شاہی حکمرانوں کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا۔ وہ بھی اُردو زبان کا ایک اچھا شاعر تھا اس کے عہد میں بھی علم وفضل اور شعروشاعری کی قدردانی جاری رہی فارسی کی مشہور فرہنگ برہان قاطع اور اُردو کی مشہور کتابیں سیف الملوک وبدیع الجمال، طوطی نامہ، پھول بن اور ماہ پیکر وغیرہ اسی دور کی یادگار ہیں۔ اس بادشاہ کی زندگی سے متعلق اس مجموعہ میں تین مضامین شامل ہیں۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ کے بعد اس کا چھوٹا داماد ابوالحسن تاناشاہ تخت نشین ہوا وہ چودہ[۱۴] برس تک قطب شاہوں کی امانت یعنے سلطنت گولکنڈہ کو دشمنوں سے بچاتا رہا۔ وہ نہایت دوراندیش اور قلندر منش حکمراں تھا۔ اس نے قلیل عرصہ میں قطب شاہی سلطنت کے اُن تمام کل پرزوں کو دُرست کرلیا

جو سلطان عبداللہ کے پچاس سال کے طویل عہد حکومت میں بالکل کمزور اور منتشر ہو گئے تھے۔ اگر شہنشاہ اورنگ زیب جیسے طاقتور دشمن سے مقابلہ نہ ہوتا اور تمام ہندوستان کی فوجیں اس کے مقابلے کے لئے جمع نہ ہو جاتیں تو وہ قطب شاہیوں کی اس، امانت کو اپنی اولاد تک نہایت مستحکم اور طاقت ور حالت میں منتقل کر سکتا۔ اس کے عہد میں بھی حیدرآباد اُردو شاعروں اور انشا پردازوں کا مرکز بنا رہا۔ طبعی اور غلام علی جیسے بلند پایہ شاعر اس وقت بھی موجود تھے جنھوں نے وجہی و غواصی کے خدمات شعر و سخن کو بوجوہ احسن جاری رکھا۔

سلطان ابوالحسن قطب شاہ نے جس خوبی اور مردانگی سے مغلوں کا مقابلہ کیا اور اثنائے جنگ میں اس کا برتاؤ جیسا شریفانہ اور بہادرانہ رہا اس کے تذکرے خاص و عام کی زبان پر اب تک جاری ہیں اُس نے قطب شاہی افواج کی اخلاقی حالت اس قدر درست کر دی تھی کہ دشمن بھی اعتراف کرتے تھے۔ اگر اورنگ زیب کا تدبر اور میر جملہ کے جانشین غدار قطب شاہی امراء کا مکر و فریب کارگر نہ ہوتا تو شاید ہی گولکنڈہ فتح ہو سکتا۔

قطب شاہیوں کے زوال کے صرف انچالیس سال بعد ہی سرزمین دکن میں آصفجاہی خاندان کا نیر اقبال طلوع ہوا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب نے بیجاپور اور گولکنڈہ کی سلطنتوں کو محض اس لئے فتح کیا تھا کہ اُن پر آصف جاہی حکومت بآسانی قائم ہو جائے گولکنڈہ کے آخری حکمراں ابوالحسن تاناشاہ کو انتقال کئے صرف چھبیس برس ہوئے تھے کہ حضرت نظام الملک آصف جاہ اول نے صوبہ دار عماد الملک مبارز خاں کو ۱۱۳۷ھ میں شکر کھیڑہ کی لڑائی میں شکست دے کر اس عظیم الشان سرزمین پر اپنی پُرعظمت سلطنت کی بنا ڈالی۔ شاید قدرت نے قیام سلطنت آصفیہ

سکے لئے راستہ صاف کرنے کی خاطر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر غازی جیسی جلیل القدر ہستی کو دکن میں نصف صدی تک سرگرم کار رکھا اور انھوں نے بڑی مشکلوں اور زحمتوں سے یہاں کی سلطنتوں کے خلاف اپنی مہمات جاری رکھیں اور اُن کے سر کرنے کے لئے اپنی تمام عمر اپنے وطن اور پایۂ تخت شاہجہاں آباد سے دور، دکن ہی کے کہساروں اور سر بفلک قلعوں کے دامنوں میں خیمہ گاہوں میں گزار دی۔

دکن کی دوسری سلطنتوں کے پایہ تختوں احمد نگر، بیدر اور بیجاپور کے مقابلہ میں قطب شاہی راجدھانی حیدرآباد بے حد خوش قسمت ہے کہ اس کو ریاست ابدمدت آصفیہ کا بھی پایہ تخت بننے کا شرف حاصل ہوا۔ کیا تعجب ہے کہ اسکی یہ سعادت محض اس کے بانی بڑے بادشاہ محمد قلی کے خلوص اور نیک نیتی کا نتیجہ ہے کہ اورنگ آباد کو ترک کر کے حضرت آصف جاہ ثانی نے فرخندہ بنیاد حیدرآباد ہی کو پایہ تخت قرار دیا اور اب حضرت سلطان العلوم آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ کی خاص دلچسپیوں اور شاہانہ سرپرستیوں نے تین سو ساٹھ برس پہلے کے بسائے ہوئے بھاگ نگر کو عروس البلاد حیدرآباد کی شکل میں منتقل کر دیا اور نہ صرف اسکو آرائش و زیبائش اور ضروریات زمانہ کے لحاظ سے عصر حاضر کا ایک مکمل شہر بنا دیا بلکہ اس پرانی بستی کے رہنے والوں کو بھی اس قابل بنا یا کہ اپنے باعظمت وطن کے ایک ایک ذرہ کی حرمت کی نگہداشت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو سکیں۔

شہر حیدرآباد کے ساتھ قلعہ محمد نگر گولکنڈہ بھی آصفی افواج کا قیام گاہ بننے کے باعث پوری طرح سے تباہ و برباد ہونے سے بچ گیا وہاں کی فوجی چہل پہل اب بھی قدیم فضا کی یاد دلاتی ہے۔ لیکن بالا حصار کے محلات، باغ

اور قدیم شاہی عمارتوں کی خستہ حالی خاص طور پر قابل توجہ ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ اس مبارک عہد عثمانی میں قلعہ محمد آباد بیدر کے شاہی کھنڈروں کی طرح قلعہ محمد نگر گولکنڈہ کے حرمان نصیب بالا حصار کی بھی قسمت جاگ اُٹھے اور قطب شاہوں کی عالی شان عمارتوں کے باقی ماندہ آثار بالکلیہ تباہ و برباد ہونے سے بچ جائیں۔

اس سرزمین کی فلاح و بہبود اور نئی پود کی اصلاح و ترقی کا خیال رکھنے والے کبھی اس حقیقت کو فراموش نہیں کر سکتے کہ خود اعتمادی اور ہمت کے بغیر کسی طرح کی ترقی ممکن نہیں اور یہ پیدا نہیں ہو سکتی جب تک ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے روشن اور تاریک دونوں پہلوؤں اور اپنی اصلی قوت سے واقف نہ رہیں اس واقفیت کے سلسلہ میں ہم کو اپنی عظمت ماضی سے بھی مستفید ہونا پڑے گا اور ہر اس چیز کی حفاظت کرنی ہوگی جو ہماری گزشتہ نسلوں کی علو ہمتی، تدبّر اور محنت و جاں کاہی کی یادگار ہے اور آئندہ نسلوں کے لئے تازگی اور توانائی کا سرچشمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

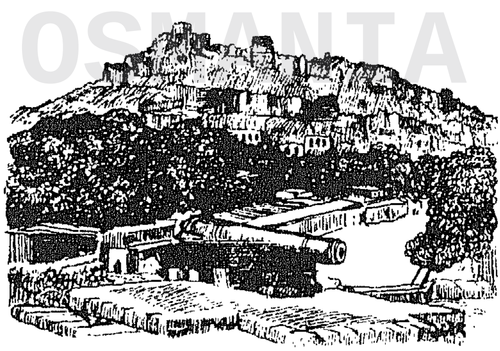
اہل دکن خوش قسمت ہیں کہ وہ ایک عظیم الشان ماضی کے وارث ہیں۔ ان کا ملک ہمیشہ تابناک رہا۔ دست بُردِ زمانہ کی تباہ کاریوں کے باوجود آج تک سرزمین دکن کی قدیم ہمہ جہتی ترقیوں کی یادگاریں بہت کچھ محفوظ ہیں اور آنے والی نسلوں کو دعوت عمل دیتی رہتی ہیں۔ جہاں گولکنڈہ کی اُردو کتابیں اُردو کے ادیبوں اور شاعروں کے لئے خیالات، زبان اور اسالیب کا غیر محدود ذخیرہ ثابت ہوتی رہیں گی، قطب شاہوں کی

حسن کارانہ یادگاروں، خوبصورت مسجدوں، فلک بوس گنبدوں سمندر نما تالابوں اور خاص کر آن کے محلات کے عظیم الشان کھنڈروں سے ایک عظیم تر حیدرآباد کے طرح اندازِ زندگی، زندہ دلی، یکجہتی اور سرگرمئ عمل کے بیش بہا درس حاصل کرتے رہیں گے۔

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ

سیّد محی الدین قادری زورؔ

رفعت منزل۔ خیرت آباد



مشک محل



بھاگ نگر کو آباد ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا - اکثر عمارتیں ابھی زیرِ تعمیر ہیں۔ موسی ندی کے کنارے سرسبز و شاداب باغوں کی داغ بیل ڈالی جا رہی ہے - دولت خانۂ عالی کی تزئین و آرائش ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے، امرائے عظام بھی شاہی حکم کی تعمیل میں اپنے اپنے عشرت کدوں کی طرح اندازی میں سرگرم ہیں۔

گولکنڈہ کی دولت، عیش و عشرت اور علمی و ادبی قدر و منزلت کے افسانے بیجاپور اور شاہجہاں آباد سے گزر کر اصفہان و سمرقند تک پھیل چکے ہیں - تاجروں اور قسمت آزماؤں کا ہر قافلہ ایران و توران اور روم و شام سے نکلتے وقت بھاگ نگر کے صاحبِ ذوق بادشاہوں اور فیاض امیروں کے دربار اور ڈیوڑھیوں تک رسائی حاصل کرنے کو اپنی قسمت کی معراج سمجھتا ہے، روئے زمین کا کوئی خطّہ ایسا نہیں ہے جہاں کے انسان بھاگ نگر اور گولکنڈہ

کے بازاروں میں نظر نہ آتے ہوں۔ یہاں کی گلیوں میں طرح طرح کی بولیاں سنائی دیتی ہیں۔ آئے دن نوواردوں کا ایک نہ ایک کارواں یا قافلہ گولکنڈہ کی سربفلک فصیلوں کے سایہ میں خیمہ افگن نظر آتا ہے اور شاید ہی کوئی بدنصیب ہوگا جو رودِ موسیٰ کے دامن نشینوں کی فیاضی اور غریب نوازی سے محروم جاتا ہو۔

بھاگ نگر کے جنوب مغرب کی طرف رودِ موسیٰ کے جنوبی ساحل پر ایک عظیم الشان عمارت کی بنیادیں تیار ہو رہی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ قطب شاہی دربار کا کوئی ذی مرتبت امیر بھاگ نگر سے ذرا ہٹ کر ایسی جگہ اپنے لئے ایک شبستان تیار کرانا چاہتا ہے جہاں سے وہ ہر صبح اپنے محبوب قلعہ کی فصیلوں اور ان کے دائمی نگہبان بالا حصار کی زیارت، اور ہر شام اپنے آقا کی پیاری بستی کے لاتعداد چراغوں سے اپنی آنکھوں کو روشن کرسکتا ہو۔

انہی بنیادوں کے قریب ندی کے اُس پار ایک نیا قافلہ خیمہ زن ہے جس کے اردگرد بیسیوں اونٹ نظر آرہے ہیں صبح کا سہانا وقت ہے۔ آفتاب کی کرنیں ابھی ابھی بالا حصار کی بالائی چوٹیوں پر جھلکنی شروع ہوئی ہیں گولکنڈہ کی فصیلوں کی طرف سے چند سوار موسیٰ ندی کی آہستہ خرام موجوں کی طرف بڑھتے نظر آرہے ہیں اور اُن کا رُخ ندی پار کے اسی زیرِ تعمیر محل کی جانب پلٹا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ ابھی ندی تک پہنچنے نہیں پاتے ہیں کہ ان کے سردار کی نظر ان اونٹوں اور ان کے درمیان کے خیموں پر جا پڑتی ہے اور فوراً اُس کے گھوڑے کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے قریب

کے ایک سوار سے پلٹ کر پوچھتا ہے :-
یہ قافلہ ایک عرصہ سے یہاں کیا کر رہا ہے؟
"جہاں پناہ! شاید ان کا مشک ابھی فروخت نہیں ہوا" سوار نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔
"کیا یہ مشک لے آئے ہیں؟ تعجب ہے گولکنڈہ میں مشک کا سوداگر اتنے عرصے تک پڑا رہے!"
یہ کہہ کر سردار نے اپنا گھوڑا ندی میں ڈال دیا اور تھوڑی دیر میں وہ اور اُس کے ہمراہی اس زیرِ تعمیر محل کی بنیادوں تک پہنچ گئے۔ وہاں اُنہیں ایک اجنبی شخص نظر پڑا جو شاید ان بنیادوں کی طرف تفریحاً نکل آیا تھا۔ جب وہ ذرا قریب ہوا تو سب کی توجہ اس کی طرف منعطف ہو گئی اُس کو دیکھتے ہی قریب کے ہمراہی نے اپنے آقا سے آہستہ عرض کیا :-
"یہی اس قافلے کا قافلہ سالار اور ملکُ التجار ہے"
"تم اتنے دن سے یہاں کیا کر رہے ہو؟" آقا نے استعجاب کے لہجہ میں سوداگر سے پوچھا۔
"حضور ہم کچھ بدنصیب سے معلوم ہوتے ہیں، گولکنڈہ میں کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا جس سلطنت میں آپ جیسے امراء ہوں اور جہاں کا بادشاہ دُنیا کے تمام بادشاہوں سے زیادہ ایسی چیزوں کی قدر کرتا ہو تعجب ہے کہ ہم اتنے دن محروم رہیں!"

تاجر نے نہایت مودبانہ لہجہ میں کہنا شروع کیا۔ اس کو معلوم نہ تھا کہ وہ اس وقت خود جہاں پناہ سے مخاطب ہے۔ اس کو یقین نہ آسکتا تھا کہ جس سلطنت کے معمولی معمولی امراء بھی بغیر شایانِ شان جلوس اور تزک و احتشام کے باہر نہیں نکلتے اور کبھی کسی اجنبی سے اس بے تکلفی سے مخاطب نہیں ہوتے وہاں کا فرمانروا ایسا خلیق اور غریب نواز ہوگا۔ وہ کئی دفعہ گولکنڈہ آچکا تھا لاکھوں روپیوں کا مال فروخت کرچکا تھا لیکن بادشاہ سے گفتگو کرنا تو کجا اس کے دربار تک رسائی بھی نہیں ہونے پائی تھی۔

"تعجب ہے کہ ہم اتنے دن محروم رہے" ناواقف تاجر نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی امیر اتنا مشک وقت واحد میں خریدنے کے لئے تیار نہیں ہوتا ہے ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح بادشاہ سلامت کو خبر ہو جائے ہم بڑی امیدوں سے گولکنڈہ آئے تھے۔ لیکن معلوم ہوا کہ چند ماہ قبل ہی یہاں اتنا مشک خریدا جاچکا ہے کہ اب شاید کئی سال تک مشک کی ضرورت نہ ہو، مگر اس کے باوجود بھی ہمیں یقین ہے کہ خدامِ سلطانی آمادہ ہو جائیں اور جہاں پناہ تک ہماری خبر پہنچ جائے تو یقیناً ہمارے نصیب جاگ اٹھیں گے۔ ہمارے ساتھ اتنے اونٹ مشک ہے کہ شاید ہی بیجاپور یا شاہجہاں آباد میں فروخت ہوسکے۔ اگر سرکاری ہماری خبر ظلِ اللہ تک پہنچا دیں تو غریب پروری ہوگی اور ایک اونٹ مشک سرکار کے نذر کیا جائے گا"

آخری جملہ سنتے ہی بادشاہ سلامت نے گھوڑا پلٹا کر اپنے ہمراہی سے کہا:-

"تاجر سے کہدو کہ آج سہ پہر میں دولت سرا پر چوک کے جھروکے کے نیچے حاضر رہے۔"

تاجر ابھی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ گھوڑے موسیٰ ندی تک پہنچ گئے۔

سہ پہر میں شہر کی اس شاہراہ کے دروازے پر تاجر بے چین کھڑا ہے جو گولکنڈہ سے بھاگ نگر کو جاتی ہے اور موسیٰ ندی کے خوب صورت پل کے ایک سرے پر واقع ہے۔ اس پل کی طرزِ تعمیر و آرائش نہ صرف ایشیا بلکہ یورپ میں بھی بے نظیر سمجھی جاتی ہے۔ ہیروں کی تجارت کے لئے جو فرنگی سیاح گولکنڈہ آتے ہیں وہ اِس پل کو شہر پیرس کے جدید ترین پل سے بھی کسی طرح کم نہیں سمجھتے لیکن مشکل یہ ہے کہ اس پل کے دروازہ میں سے بھی شہر میں داخل ہونے کے لئے ہر اجنبی شخص کو اجازت حاصل کرنی پڑتی ہے جس کے لئے بعض وقت کئی کئی دن تک انتظار کرنے کی نوبت آتی ہے۔

تاجر بھی اسی شش و پنج میں ہے کہ کسی طرح اجازت نامہ مل جائے اور پہنچ کر اس امیر کی عنایت سے بادشاہ تک رسائی حاصل کر سکوں جو صبح میں اعانت کا وعدہ کر گیا ہے۔ اُمید و یاس کی کشمکش میں وہ محسوس کر رہا ہے کہ میں ایسا خوش قسمت تھوڑا ہی ہوں کہ ڈھائی مہینوں کی کوششوں میں ناکام رہ کر آج بغیر کسی کوشش کے گھر بیٹھے کامیاب ہو جاؤں جب یہ جانتا ہوں کہ اس سال مشک خریدا ہی نہیں جا سکتا۔ پھر وہ خیال کرتا ہے کہ خدا دینا چاہتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ ابھی اسی ادھیڑ بن میں ہے کہ ایک حبشی دروازے

میں نمودار ہوتا ہے اور مشک کے تاجر کو اپنے ساتھ لے کر چوک میں داخل ہوتا ہے یہاں جب تاجر کی نظر شاہی جھروکے پر پڑتی ہے تو وہ حیران رہجاتا ہے کہ وہ اب تک اپنے جس خلیق محسن کو ایک قطب شاہی امیر سمجھ رہا تھا وہ خود ظل اللہ ہیں۔

بادشاہ نے تاجر کو دیکھتے ہی خانساماں کو حکم دیا کہ

"اس تاجر کے مشک کی رقم فوراً ادا کردی جائے۔"

خانساماں نے ڈرتے ڈرتے دست بستہ عرض کیا کہ :۔

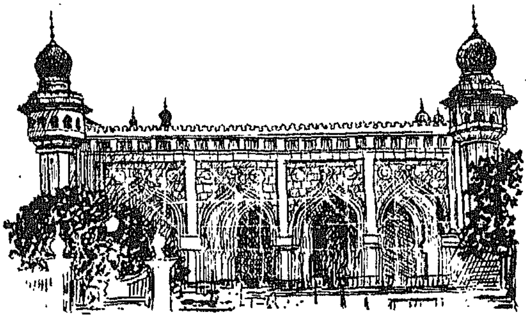
"جہاں پناہ! مشک کے کوٹھے تو بھرے پڑے ہیں اتنے اونٹ مشک کہاں رکھا جائے گا؟"

بادشاہ نے تاجر کی طرف دیکھ کر کہا :۔

"تم اپنا سارا مشک ہمارے ایک امیر کے اس زیرِ تعمیر محل کی بنیادوں میں ڈال دو۔ جہاں آج صبح ہم ہواخوری کے لئے نکل آئے تھے۔"

دوسرے دن خوش قسمت تاجر کے خیمے موسیٰ ندی کے دامن میں نظر نہ آئے، لیکن اُسی روز سے اس زیرِ تعمیر محل کا نام "مشک محل" مشہور ہوگیا۔

مکہ مسجد (سنہ ۱۰۲۳ھ)



آج صبح سے حیدرآباد کے بازاروں میں عجیب چہل پہل ہے۔ انسانوں کا ایک سیلاب ہے کہ ہر گلی کوچے سے چارمینار کی طرف جانے والی سڑکوں میں داخل ہو رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں سڑکیں بڑے بڑے دریا ہیں جن میں چھوٹی چھوٹی ندیوں اور نالوں سے آنے والے سیلابوں کی وجہ سے طغیانی کے آثار نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ انسانی سیلاب ایک ہی مرکز کی طرف بہہ رہا ہے اور چارمینار تک پہنچ کر جنوب مغرب کے عظیم الشان میدان میں جذب ہوتا جاتا ہے۔

نوجوانوں کی ٹولیاں اپنی وضع قطع اور چست لباس میں زندگی اور زندہ دلی کا صحیح نمونہ پیش کر رہی ہیں۔ بڑے بوڑھے اور ثقہ لوگ اپنے اپنے ہتھیار سنبھالے اور وضع وضع کی لٹپٹی پگڑیاں لپیٹے چلے آ رہے ہیں۔

کوئی بادشاہ کے غیر معمولی زہد و اتقا، اور مذہبی شغف کا ثنا خواں ہے۔ کوئی اس کی درویش صفت زندگی کے قصّے سنا رہا ہے۔ کسی کی زبان پر سلطنت کی ہردل عزیز ملکہ حیات بخشی بیگم کے رفاہ عام کے کاموں اور خیر خیرات کا تذکرہ ہے اور کوئی اس کے باپ سلطان محمد قلی کی فیاض طبیعت اور اُس کے زمانے کی رنگ رلیوں سے موجودہ عہد کا مقابلہ کر رہا ہے۔ لیکن اکثروں کی گفتگو کا موضوع آج ہی کی تقریب ہے جس میں شرکت کے لئے اس ذوق و شوق سے ہر شخص کے قدم چار مینار کی طرف بڑھتے نظر آرہے ہیں

کئی روز قبل اس وسیع شہر اور اس کے اطراف و اکناف کے ہر گلی کوچے میں جہاں پناہ کے حکم سے یہ منادی کر دی گئی ہے کہ :-

"شہر کے وسط میں جس عظیم الشان مسجد کی تعمیر کی جانے والی ہے اُس کا سنگ بنیاد وہی شخص رکھے گا جس کی کوئی نماز بارہ سال کی عمر کے بعد سے قضا نہ ہوئی ہو"

اس اعلان کے بعد سے ہر شخص روز مقررہ کا بے چینی سے منتظر تھا۔ اکثر قدیم طرز کے بزرگوں کو اب محسوس ہو رہا تھا کہ سلطنت قطب شاہیہ کے اس پر شکوہ پایہ تخت میں اس کے شایانِ شان مسجد موجود نہیں تھی۔ حالانکہ بھاگ نگر کے بسانے والے پریمی بادشاہ محمد قلی نے اس امر کا التزام کیا تھا کہ اس کی محبوب بستی ہر لحاظ سے دُنیا کے بڑے سے بڑے اور شائستہ سے شائستہ شہروں پر سبقت لے جائے۔ لیکن تعجب ہے کہ جہاں اس نے چار مینار، دولت خانۂ عالی اور دارالشفا جیسی رفیع الشان

اور بلند عمارتیں بنائیں، نیز سیکڑوں نفیس پاکیزہ حمام، مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کیں صرف "جامع مسجد" پر اکتفا کیا جو وسعت و بلندی کے لحاظ سے متذکرہ عمارتوں کی صف میں شریک نہیں کی جاسکتی۔ سچ تو یہ ہے کہ سلطان محمد قلی زیادہ تر فنون لطیفہ اور شعر و سخن کا دل دادہ تھا۔ اس کو موجودہ جہاں پناہ سلطان محمد قطب شاہ کی طرح مذہب و فلسفہ سے دلچسپی نہ تھی اس کی زندگی عشق و محبت کی سرگوشیوں میں گزر گئی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ خود شہر حیدرآباد اور اس کی ساری عظمت اسی عاشق مزاج جان باز کی بے نظیر محبت اور وارفتگی کی لازوال یادگار ہے۔

چارمینار کے پہلو کا وہ میدان جہاں یہ مسجد بنائی جارہی ہے انسانوں کا ایک ذخار سمندر معلوم ہو رہا ہے۔ اس کے وسط میں ایک وسیع عمارت کی عمیق بنیادوں کے بیچوں بیچ ایک وسیع شامیانہ کے نیچے زرق برق لباس پہنے ہوئے امیروں اور شاہی خدمت گاروں کی دو رویہ قطاریں کھڑی ہیں یہ سب جوان بخت اور جواں سال بادشاہ کی آمد آمد کے منتظر ہیں۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے سارے مجمع کی نظریں اس سڑک کی طرف اٹھ جاتی ہیں جو دولت خانہ عالی سے چارمینار کی طرف نکلتی ہے گردنوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ رنگ برنگ کے شملوں اور رومالوں کا فضائے بسیط میں لہراتا سمندر کی مضطرب لہروں کا منظر پیش کر رہا ہے۔

صبح دس بجنے کے قریب آخر کار شاہی نشان کا ہاتھی چارمینار کے پہلو میں پہنچ گیا۔ اس پر نظر پڑتے ہی مجمع کا سارا شور و شغب کافور ہو گیا۔

اب ہر ایک کی یہی کوشش ہے کہ ظل اللہ کو دیکھنے کی سعادت حاصل کرے کیونکہ اس کو یقین ہے کہ اگر بادشاہ سلامت کا چہرہ نظر آجائے تو سال بھر کی کلفت دور ہوجائے۔

نشان کے ہاتھی کے بعد متعدد ہاتھی نظر آئے اور سو ڈیڑھ سو سوار پُر رعب لباس پہنے تاتاری گھوڑوں پر سوار تیر کمان لیئے، اور ڈاب میں تلواریں لٹکائے ڈھالیں پیٹھ پر جمائے قطار در قطار چار مینار کے نیچے پہنچ کر صف باندھے کھڑے ہوگئے۔ ان کے بعد ایک دستہ سواروں کا قرنا پھونکتے اور نفیریاں بجاتے ہوئے میدان میں داخل ہوتا ہے۔ اُن کی آمد آمد کے ساتھ مجمع میں ایک وسیع راستہ کھل جاتا ہے۔ اس وقت دیکھنے والوں نے حضرت موسیٰ کے ہزاروں سال قبل کے معجزہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ طوفان بدوش دریائے نیل میں بنی اسرائیل کے گزر جانے کے لئے کس طرح راستہ بن گیا تھا۔ بادشاہ سلامت گھوڑے پر سوار ہیں اور پچاس ساٹھ پیادے ہمرکاب چلے آرہے ہیں۔ نقیب "بچو، بچو، نگاہ روبرو" کے نعرے لگا رہے ہیں، چوبدار نقروی عصا لیئے ہوئے راستے سے مجمع کو ہٹا رہے ہیں کسی کے پاس برچھے ہیں، کسی کے ہاتھ میں مورچھل ہیں جو ظل اللہ کے دونوں طرف برابر جھل رہے ہیں۔ آفتاب گیری اور چتر بادشاہ پر سایہ فگن ہے۔

جب جہاں پناہ امیروں اور خدمت گزاروں کے جھرمٹ میں شامیانے کے نیچے پہنچ جاتے ہیں تو شاہی نقیب بآوازِ بلند اعلان کرتا ہے:-

"اعلیحضرت ظلِ سبحانی جالیسِ سریرِ سلطنت و کامرانی معدلت پناہ

سلطان محمد قطب شاہ حکم فرماتے ہیں کہ شرفاو نجبائے شہر میں سے
جو یہاں مجمع میں بارہ سال کی عمر سے اب تک جس نے ایک وقت
کی بھی نماز قضا نہ کی ہو براہ کرم وہ آگے بڑھے اور خانۂ خدا کا
سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھے"

مجمع پر سکون چھایا ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ انسان مرمر کی مورتیں بن گئے ہیں۔ سانس لینے کی آواز تک نہیں سنائی دیتی۔ چند لمحوں کے بعد نقیب نے پھر اس حکم کو دہرایا۔ مجمع میں ہر ایک شخص دوسرے کی طرف دیکھنے لگتا اور مجمع کا مجمع اس خوش بخت کی زیارت کا منتظر ہے جو اس سعادت سے مشرّف ہونے والا ہے۔ کہیں ہلچل نہیں۔ ایک محلّے کے رہنے والے دوسرے محلے والوں کو اور ایک گروہ دوسرے گروہ کو دیکھ رہا ہے گویا سب کے سب ایک زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں کسی کو حرکت کرنے کی اجازت ہی نہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد شاہی نقیب تیسری مرتبہ ذرا وضاحت کے ساتھ رُک رُک کر مجمع کو سمجھاتا ہے اور بدقت تمام مجمع کا یہ سکوت ٹوٹتا ہے۔ دو شخص آگے بڑھتے نظر آتے ہیں۔ جن میں سے ایک شرعی قسم کھانے کے بعد عرض کرتا ہے

"بارہ سال کی عمر سے اب تک کوئی نماز قضا نہیں ہوئی البتہ ایک
روز صبح کی نماز میں دوسری رکعت پڑھ رہا تھا کہ آفتاب طلوع ہوگیا"۔

دوسرے شخص نے بھی قسم کھا کر کہا کہ :۔

"اگرچہ ایک دفعہ صبح کی نماز وقت پر پڑھی تھی لیکن طلوع آفتاب
کا وقت قریب ہوگیا تھا اس لئے رفعِ شبہ کے لئے اعادہ کیا تھا"

کبھی نماز قضا نہیں ہوئی ۔"

ان دونوں کے بیان سے عوام میں ایک ہلچل سی مچ رہی تھی کہ سلطان محمدؒ خود بڑھتا ہے اور شرعی قسموں کے بعد کہتا ہے کہ :-

"اُس خدائے یگانہ و بزرگ کی قوت و دبدبہ کی قسم ہے جس کے گھر کی بنیاد ڈال رہا ہوں میری بارہ ۱۲ سال کی عمر سے اس وقت تک پنج وقتہ نماز کسی وقت قضا نہیں ہوئی ہے اور اسی طرح میری تہجد کی نماز بھی کبھی قضا نہیں ہوئی ۔"

یہ کہہ کر سلطان محمد بنیاد کا پتھر خود اپنے سر پر اٹھا لیتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے مسجد کی بنیاد میں رکھ کر اُس کی تعمیر کا آغاز کرتا ہے اور وہ دونوں سعادت مند زر و جواہر سے بھری ہوئی کشتیاں انعام میں حاصل کرکے مجمع میں شریک ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔

کھویا ہوا چاند (سنہ ۱۰۳۶ھ)



بھاگ نگر کے بسانے والوں نے موسیٰ ندی کی طغیانیوں کا سدِ باب کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ لیکن شاید قدرت کی طرف سے طغیانیوں کی صورت میں آئے دن ایسے سامان مہیا کر دیے جاتے تھے کہ اس پریم نگری کے باشندے اپنی ہمہ گیر فتحمندیوں، دولت و ثروت اور عیش و عشرت کی گھڑیوں میں یادِ خدا سے غافل نہ ہونے پائیں۔

قطب شاہی دور میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جب موسیٰ ندی کی طوفان خیز موجیں شہر کی سنگ بستہ دیواروں، سرسبز و شاداب باغوں کی آراستہ روشوں، لب ساحل کی پُرفضا بارہ دریوں اور محلات کے معمورۃ خانوں کو اپنے دست بُرد سے متاثر نہ کرتی ہوں اور واقعہ یہ ہے کہ ہر طغیانی کنارِ موسیٰ کے بسنے والوں میں زندگی اور عمل کی خوابیدہ قوتوں کے لئے تازیانہ کا

کام کرجاتی تھی۔ انہی طغیانیوں نے مغلوں کے دست تعدی سے ایک عرصے تک گولکنڈہ کے آخری سرفروشوں کو بچائے رکھا اور اسی طغیانی کی وجہ سے گولکنڈہ اور موضع چچلم کے درمیان ایک عالیشان پل بنایا گیا جو شہر حیدرآباد کی تعمیر کا سنگ بنیاد ثابت ہوا۔ یہی طغیانی آج ایک ایسے رسم کے آغاز کا بھی باعث بن رہی ہے جو صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اب تک جاری ہے اور حیدرآباد کی مخصوص رونق کا سامان ہے۔

۲

نوعمر عبداللہ مرزا کو تخت نشین ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ رود موسیٰ کے دامن نشینوں نے ابھی ابھی بقرعید کی خوشیاں منائی تھیں اور اس سال اس کثرت سے بکروں کی قربانیاں ہوئی تھیں کہ بعض بعض مقامات خاص کر ساحل کے باغات میں ندی کا پانی بکروں کے خون سے ایک آدھ روز تک سرخی مائل نظر آتا رہا۔ کئی دن تک امیروں کے باغ جو کنارِ موسیٰ واقع تھے۔ گوشت کی دعوتوں اور بے فکروں کے جلسوں سے آباد رہے اور ابھی ان سرمستیوں کا نشہ اُترنے بھی نہیں پایا تھا کہ دارالسلطنت میں ایک تشویش ناک حادثہ رونما ہوگیا۔ عید کے چند روز بعد ہی سے موسیٰ ندی کا پانی یکایک غیر معمولی رفتار سے بڑھتا گیا اور یہ اس ندی کے لئے کوئی غیر معمولی بات نہ تھی لیکن اس موقع پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ندی کا دیوتا ان جلسوں کی آلودگیوں اور خون کی کثرت کی وجہ سے خشمگیں ہوگیا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے دامن سے ان دھبوں کو دھو ڈالے۔ مگر ندی یا اس کے دیوتا کی یہ آشفتگی بھاگ نگر کے باشندوں کے لئے نئی نہ تھی اور اس

دفعہ بھی وہ اس کو محسوس تک نہ کرتے اگر اس کی وجہ سے ان کے نوعمر بادشاہ کی جان خطرہ میں نہ پڑجاتی ۔

— (۳) —

موسیٰ ندی کے مشہور آفاق پل کے قریب "کوچہ صورت مورت" دور دور تک مشہور تھا۔ شہر بھاگ نگر کا کوئی سیّاح اور نو وارد ایسا نہ ہوتا جو اپنی فرصت کے اوقات میں قلعہ گولکنڈہ کی شمال مشرقی فصیل کے کنارے "ھتیان کے درخت" اور موسیٰ ندی کے پل اور حسینی علم کے درمیان "کوچہ صورت مورت" کی سیر کے لئے نہ آتا۔ اوّل الذکر درخت اگرچہ بعد کو نئے قلعہ کی فصیلوں میں محصور ہوگیا مگر اس کی عظمت و ندرت وہاں بھی اس کے دیکھنے والوں کو کشاں کشاں بلاتی رہی یہ عجیب و غریب درخت کئی امور کے لحاظ سے عجوبہ اور قابل دید ہے۔ اس کا پیڑ بالکل پہاڑ نما ہے۔ اس کے رنگ اور وضع قطع کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ جماد نہیں نبات ہے۔ یہ پیڑ ایک سو سولہ فٹ چوڑا ہے اگر اس کے ایک طرف کھڑے ہو کر باواز بلند گفتگو کی جائے تو دوسری طرف سنائی نہیں دے سکتی۔ اس کے پوست پر ہاتھی کی کھال کی طرح جھریاں پڑی ہوئی ہیں اور جہاں جہاں سے شاخیں نکلی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھی سونڈ اٹھائے کھڑے ہیں۔ اس پیڑ کے اندر پچاس فٹ مربع رقبہ کا ایک کھوکھلا حصّہ ہے جس کی وضع بالکل گنبد کی سی ہے۔ اس نادر الوجود ہاتھی نما درخت کی طرح شاہی ہاتھیوں کے رہنے کی جگہ "کوچہ صورت مورت" بھی کچھ کم قابل دید نہ تھی۔ صورت ایک ہاتھی کا، مورت دوسرے ہاتھی کا نام تھا۔ گولکنڈہ کے سیکڑوں ہاتھیوں میں سے یہی دو شاہی سواری کے لئے منتخب کئے گئے تھے، اور خوبصورتی و تربیت میں ہر طرح سے ممتاز تھے۔

اُن کے سونے چاندی کے قیمتی اور مُکلّف سازوسامان کی تمام ہندوستان میں شہرت تھی

۴

ان ہاتھیوں میں سے ایک ہاتھی مورت پر جس کا ہودج اور پاکھر اور جھول وغیرہ زردوز اور طلائی تھے عید الضحیٰ کی تقریب منانے کے بعد سلطان عبداللہ ہری محل سے قلعہ گولکنڈہ کو جا رہا تھا حسینی علم اور کوچۂ صورت مورت سے گزر کر پُل کے دروازہ پر پہنچا تھا کہ موسیٰ ندی کی سرکش موجیں اُس کے پاؤں میں اٹکھیلیاں کرنے لگیں۔ مورت کو غالباً یہ بے باکی پسند نہ آئی۔ وہ نہایت سنجیدگی سے ایک جگہ ٹھہر گیا اور شوخ و گستاخ دخترانِ رودِ موسیٰ کی بدتمیزیوں پر حیران تھا۔ مہاوت مورت کے غیر معمولی وقار اور غرور سے ناواقف نہ تھا۔ لیکن بادشاہ سلامت کی سواری کا اس طرح رُک جانا بھی تو آدابِ شاہی کے خلاف ہے! اس نے مورت کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ مگر وہ ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ مہاوت پریشان تھا کہ مورت پتھر کی مورت تو نہیں بن گیا۔ اُس نے ایسی عدول حکمی ابتک نہیں کی تھی۔ مجبور ہو کر مہاوت نے انکس سے کام لینا چاہا۔ مورت کے غصہ میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کے اس کوہستانی سکوت پر جلوس کے گھوڑے اور خدمتگار ساتھیوں نے اُس کو اکسانا شروع کیا۔ ادھر سے طوفانی موجوں کی مسلسل سرکشی، ادھر سے تیز انکس کی نیش زنی، اور گھوڑوں کے ٹاپوں کا شور۔ یہ تمام ہنگامے مورت جیسے مغرور ہاتھی کی پریشانی کے لئے کچھ کم نہ تھے۔ اس کا جذبۂ خودداری بری طرح مجروح ہو رہا تھا وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے اس کے فلک شکوہ جسم میں بجلی کی سی تڑپ پیدا ہو گئی۔ اس نے سونڈ کی ایک

حرکت میں غریب مہاوت جیسے بار گراں کو زمین پہ گرا کر پاؤں سے کچل ڈالا۔ اب کیا تھا سارے مجمع پر ہیبت چھا گئی۔ جان نثاروں نے بادشاہ کی جان بچانے کی خاطر ہر طرح کوشش کی۔ مگر ان کی ہر حرکت مورت کے سمند ناز پر تازیانے کا کام کر رہی تھی۔ اس کشمکش میں دو تین غریب ہیرو بھی کچل گئے اور مورت بے تحاشا جنگل کی طرف بھاگ نکلا۔

تمام شہر میں ایک ہلچل مچ گئی کہ ہاتھی جس پر سلطان عبداللہ سوار ہیں جنگل کی طرف بھاگ گیا ہے۔ قلعہ میں بادشاہ کی ماں حیات بخشی بیگم صاحبہ کو اطلاع ہوئی تمام محلات میں کہرام مچ گیا کسی کے حواس ٹھکانے نہ رہے۔ دودمان قطب شاہی کا واحد چشم و چراغ اس طرح بے یار و مددگار ایک مست ہاتھی کے بس میں ہے معلوم نہیں زندہ بھی ہے یا اس کا بھی وہی حشر ہوا جو مہاوت کا ہوا۔

دارالسلطنت کی تمام فوجیں ہاتھی کے ڈھونڈنے کے لئے بھاگ نگر کی وادی کا چپہ چپہ، اطراف واکناف کی پہاڑیوں کی ایک ایک چٹان، اور درختوں کا پتہ پتہ چھان ڈالتی ہیں۔ بظاہر اس کے سوا کوئی اور خیال نہ تھا کہ مورت غائب ہوگیا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے صبح سے شام ہوگئی مگر لا حاصل۔ محلات میں فاقہ پر فاقہ ہو رہا ہے اور ہر ایک کی زبان پر ہے کہ "شاہزادہ صبح سے بھوکا ہے"۔ غم دیدہ ماں نے خیر و خیرات کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ شاہی باورچیخانے میں جو کچھ پکتا غریبوں، محتاجوں اور فقیروں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ہر چھوٹا بڑا شہزادے کے لئے دست بدعا ہے۔ مسجدوں میں یہی ذکر، خانقاہوں میں یہی تذکرہ، بازاروں میں سناٹا سا چھایا ہوا ہے۔ شاہی نقیب تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ملکۂ عالم کے انعام و اکرام کا اعلان کرنے کے لئے قلعہ سے چوک میں آتے ہیں اور عوام کو شاہی ہاتھی پکڑ لانے کی ترغیب

دیتے ہیں۔ آدھا شہر جنگلوں میں مصروف تلاش ہے۔ ایک دن اور ایک رات اسی عالم میں گزر گئی۔ دوسرے دن ذالحجہ کی اٹھائیسویں تاریخ کا آفتاب طلوع ہوا ہے اور ملکہ صدقے میں ہزاروں جانور چھوڑ رہی ہیں مٹھیوں سے جواہرات صدقے میں تقسیم ہو رہا ہے۔

"رات تمام شہزادہ پر کیا گزری ہو گی" ایک خواص نے آہ سرد بھر کر کہا۔

"عبداللہ میرزا اگر تیرے دشمنوں کا بال بھی بیکا ہوا تو میں زندہ درگور ہو جاؤنگی"

فرقت زدہ ماں کی زبان پر بار بار یہی الفاظ ہیں اور آنسو ہیں کہ تھمتے نہیں۔ رات تمام وہ محل کے جھروکے سے قلعہ کے جلوخانہ اور بھاگ نگر کی طرف نظر جمائے رہیں کہ شاید اب کوئی خبر آئے۔ دنیا بھر کے ٹونے اور ٹوٹکے کیے گئے۔ عاملوں اور رمالوں کی بن آئی۔ آخر جب تمام رات آنکھوں آنکھوں میں کٹ گئی اور چار مینار کے پیچھے سے جب آفتاب کی کرنیں طلوع ہوتی نظر آئیں تو ملکۂ عالم نے حکم دیا کہ:

"قلعہ اور بھاگ نگر کے اطراف دور دور تک درختوں کی شاخوں سے جگہ جگہ آب خاصہ کی صراحیاں اور کھانے کے توشہ دان لٹکا دیے جائیں۔ شاید ہاتھی اس طرف سے گزرے اور یہ سامان شاہزادے کے کام آئے"

۲۹۔ ذی الحجہ کو حیات نگر سے اطلاع آئی کہ رات میں ہاتھی اس طرف سے راگاؤں والوں نے تعاقب کیا دو چار آدمی روندے گئے مگر ہاتھی قابو میں نہ آنا تھا نہ آیا بے تحاشا بھاگ گیا۔

اسی عالم تشویش میں تین چار دن گزر جاتے ہیں۔ ملکہ جھروکے سے باہر کی طرف ٹکٹکی لگائے بیٹھی ہیں کہ آسمان پر محرم کا چاند نظر آیا۔ اس کو

دیکھتے ہی ملکہ کو اپنا کھویا ہوا چاند یاد آگیا۔ وہ بے اختیار رونے لگیں لیکن یکایک اُن کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اپنا درد دل جگر بند فاطمہ سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی بارگاہ میں کیوں نہ عرض کروں کیوں نہ منت مانوں۔ فوراً ان کی زبان سے بے اختیار نکلا :-

"اے امام شہید مظلوم آپ کی اس لونڈی کے جگر کا ٹکڑا اگر صحت و سلامتی اور خیر و خوبی کے ساتھ آملے تو دولت خانہ شاہی میں داخل ہونے سے قبل چالیس من سونے کی زنجیر بنواوں گی اور مست ہاتھی کے پاؤں میں لنگر کرکے آپ کے غلام سلطان عبداللہ کی کمر میں باندھ کر قلعہ گولکنڈہ سے مکان حسینی علم تک پا پیادہ لے جاؤں گی اور وہاں فقراء و مساکین و سادات و علماء و فضلاء و ارباب احتیاج میں تقسیم کردوں گی۔"

دوسرے روز صبح سویرے ملکہ کو دور سے ایک آواز سنائی دی۔ وہ دوڑتی ہوئی جھروکے کی طرف آئیں۔ دیکھا کہ خلق اللہ کا ایک ہجوم ہے کہ قلعہ کے دروازے کی طرف بڑھا چلا آرہا ہے اتنے میں فصیل کی طرف صبا رفتار گھوڑے دوڑتے آئے اور جھروکے کے نیچے پہنچ کر شاہی خدام کو آواز دی کہ

"حضرت ماں صاحبہ قبلۂ جہانیاں کی خدمت میں مبارکباد عرض کریں کہ صاحب عالم حضرت سلطان عبداللہ قطب شاہ بفضل الٰہی بصحت و عافیت تشریف لا رہے ہیں۔ ہاتھی کی مستی اُتر چکی ہے اور وہ حسب سابق مطیع ہوگیا ہے۔

ملکہ نے کہلا بھیجا کہ "سلطان کو بالا حصار کے اندر نہ آنے دو۔ دروازہ ہی پر روک دو"۔ اس اثناء میں مورت بالا حصار کے دروازہ تک پہنچ گیا۔ ملکہ نے اپنے جگر گوشے کے یہاں اندر سے کہلا بھیجا کہ :-

"زنہار اندر قدم نہ رکھنا"

اسی وقت سیکڑوں سُنار جمع ہو گئے - چالیس من سونے کی ایک زنجیر بنوائی گئی - چالیس من پختہ مصری کا شربت بھی تیار کیا گیا - قلعہ سے دروازہ حسینی علم تک سُرخ مخمل کا فرش بچھ گیا اور سلطان عبداللہ برہنہ پا کمر میں زنجیر بندھی ہوئی حسینی علم تک پیدل روانہ ہوا اور وہ طلائی زنجیر اور شربتِ قند و گلاب وہاں غربا میں تقسیم کر دیا گیا -

اُس وقت سے اب تک ہر سال محرّم میں عقیدت مندوں کی طرف سے سیکڑوں لنگر حسینی علم میں داخل ہوتے ہیں اور حیات بخشی بیگم ماں صاحبہ کی یہ سنت بطریقِ ارادت ہمیشہ جاری رہے گی -

ملک خوشنود (۱۰۴۲ھ)



اب تک تین دفعہ ہم یہاں گئے ہیں اور ہر وقت آثارِ قدیمہ کی سیر میں گھنٹی گھنٹی گھنٹے گذار چکے ہیں اور ابھی نہیں معلوم کتنی دفعہ ان کھنڈروں کی خاک چھاننی پڑیگی! اس قلعہ کے باشندے، ہمارے احباب، بیان کرتے ہیں کہ احاطۂ قلعہ کے علاوہ فصیلوں کے باہر اطراف واکناف میں بھی سیکڑوں آثارِ قابلِ دید ہیں۔ آج ہم اپنے دوست "مرشد" کے ساتھ ایک نوجوان فوجی عہدہ دار کے مکان میں داخل ہوئے۔ مشہور ہے کہ وہ اس اجڑی ہوئی بستی کے چپہ چپہ سے واقف ہیں۔ لیکن انھوں نے ناسازیِ مزاج کے باعث آج ہماری رہنمائی سے معذرت چاہی۔ ہم میں سے ایک نے ان کی تعریف کرتے ہوئے اُن سے پوچھا کہ :-

"صاحب! قلعہ اور اہلِ قلعہ سے متعلق اتنی معلومات آپ کو کن کن ذریعوں سے حاصل ہوئیں"۔ انھوں نے جواب دیا کہ :- "جناب! یہ نہ پوچھئے۔ یہ ذرّا

مجھے ورثہ میں ملا ہے۔ میرے والد اسی میں محو رہتے تھے۔ وہ ڈاکٹر تھے لیکن دواخانہ کے اوقات کے بعد ان کا تمام وقت ہمسایہ در و دیوارِ شکستہ کی زیارتوں میں گزر جاتا۔ میرے دادا کو میرے والد سے زیادہ ان چیزوں کا شوق تھا۔ انھوں نے تو یہاں کے نقش و نگار کے متعلق ایک کتاب بھی لکھی تھی۔"

کتاب! سنتے ہی میرے کان کھڑے ہوگئے۔ مجھے کتابوں کا شوق اور وہ بھی اِن اُمور کے متعلق بے پایاں ہے۔ میں بے چین ہوگیا اور گفتگو ختم ہونے سے پہلے پوچھا:۔ "کیا وہ کتاب آپ کے یہاں اب بھی موجود ہے؟"

"جی ہاں! ہوگی، مگر معلوم نہیں اس وقت کہاں رکھی ہوئی ہے" اس نوجوان نے ایسے انداز میں کہا جس سے شبہ ہو رہا تھا کہ یا تو کتاب کا قصہ سرے سے غلط ہے یا انھیں ہم سے اندیشہ ہے کہ کہیں حریفانِ بادہ کی طرح ہم اس ساغر کو بھی نہ ہضم کر جائیں۔ میں نے یقین دلاتے ہوئے کہا:۔

"آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم آپ کے دادا صاحب کی کتاب اپنے ساتھ لیجانا چاہتے ہیں۔ ہم صرف چند صفحات اُلٹا پلٹا کر دیکھیں گے۔ پھر آپ کی کتاب یہیں آپ کو واپس کر دی جائے گی۔"

میرے ساتھیوں نے بھی میری ہاں میں ہاں ملائی اور فوجی عہدہ دار کو یقین آگیا۔ وہ یہ کہتے ہوئے زنانہ حصہ کی طرف گئے۔

"دیکھئے اگر مل جائے تو ابھی لاتا ہوں۔"

ہم اپنی کامیابی پر نازاں تھے آخر تھوڑی ہی دیر میں ہمارے میزبان ایک لانبی چوڑی کتاب مجلد لے ہی آئے اور کہا:۔

"دیکھئے! اس کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔ قدیم زبان میں لکھی ہوئی ہے"
میں نے فوراً ہاتھ بڑھا کر وہ کتاب اُن سے لے لی اور کہا "کچھ نہ کچھ مطلب تو سمجھ میں آہی جائے گا۔ کتاب کے اوراق اُلٹنا شروع کئے۔ جگہ جگہ فصلوں کی ذیلی سرخیاں تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مختلف واقعات پر چھوٹے چھوٹے مضامین لکھے ہیں۔ اسی ورق گردانی میں میری مذاق کی چیزیں بھی مل گئیں۔ گولکنڈہ کے شعرو سخن کا تذکرہ تھا۔ میں نے ادھر اُدھر سے چند سطریں پڑھیں۔ بہت سی کارآمد باتیں بھی تھیں میں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا:۔

"حامد تم یہاں سے پڑھتے جاؤ میں نوٹ کرتا جاؤں گا۔ کیوں جناب اگر میں اس کتاب سے کچھ نوٹ کر لوں تو آپ کو اعتراض تو نہ ہوگا"
میں نے مالک سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ انھوں نے بخوشی اجازت دی قدیم زبان تھی حامد رک رک کر پڑھ رہے تھے اور میں خوش تھا کہ مجھے ایک کارآمد کتاب سے بہت کچھ نقل کر لینے کا موقع ہے۔ جب کام ختم ہو گیا ہم نے شکریہ کے ساتھ کتاب واپس کر دی اور چونکہ دیر ہو چکی تھی کسی اور وقت آنے کا وعدہ کر کے وہاں سے رخصت ہوئے۔ اس کتاب کے اکثر واقعات تاریخی اور دلچسپ ہیں۔ یہ قصہ دوستوں کے اصرار پر اسی کتاب سے مگر اپنی زبان میں نقل کر رہا ہوں:۔

"کیا یہ وہی ملک خوشنود ہے، جو خدیجہ سلطان کے جہیز میں ایک سو ایک زرین کمر غلاموں میں شامل تھا؟"
"جی ہاں وہی حبشی جس کو سلطان محمد قلی نے ملک الشعراء وجہی کی تیمارداری

کے لئے روانہ کیا تھا؟"

شاہی مصوّر نے خطاط خاں کو جواب دیا۔

"اہا! اب سمجھا میں اس زمانے میں نیا نیا شاہی ملازم ہوا تھا اور وہ میرے یہاں پانچویں منزل میں جہاں پناہ کا کلام بیاض میں نقل کرنے کے لئے لایا کرتا تھا!"

"یہی کیا! سیکڑوں دفعہ چوتھی منزل میں بھی یہ آیا ہے۔ ایک دفعہ اس کی شوخی پر اس کو ڈانٹ بھی بتائی تھی۔ بلا کا تیز طبع تھا ایک روز میں حضور کی غزل کی وصلی پر حاشیہ بنانے کے لئے رنگ ملا رہا تھا۔ اس سے تیل کا شیشہ مانگا۔ شیشہ تو لایا مگر وصلی پر انڈیل دیا ساری محنت بیکار گئی۔ دوسری وصلی تیار کرنی پڑی۔"

"کچھ نہیں یہی قسمت اس کو کہتے ہیں! ہم تو کولہو کے بیل کی طرح جہاں تھے وہیں رہے اور یہ کل کا بچہ آج بیجاپور کا سفیر ہو کر اپنے وطن کو واپس آیا ہے۔"

یہ دونوں بوڑھے آہستہ آہستہ کٹورا حوض کی طرف چلے جا رہے تھے۔ یہ تالاب نما حوض گولکنڈہ کے وسط میں عجیب سیر کا مقام ہے۔ اس کے چاروں کنارے شہر کے خوش باشوں اور اہلِ علم طبقے کی مقبول ترین تفریح گاہیں شمار کئے جاتے ہیں۔ حوض کے اطراف دُور دُور تک سبزہ زار ہے جس پر ہر روز سرِ شام شاعر، انشاء پرداز اور اہلِ قلم جمع ہوتے اور اپنی دن بھر کی مصروفیتوں پر چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ ہر بڑے شاعر کا گروہ علٰحدہ علٰحدہ اس

حوض کے کنارے پر جمع ہوتا ہے اور اسی وجہ سے مشاعروں اور علمی و ادبی مجلسوں میں شاعروں کے ناموں کے ساتھ منسوب ہونے کی جگہ کوئی شمالی حلقہ والا گروہ کہلاتا، کوئی مغربی حلقے والا اور کوئی جنوبی حلقے والا۔ ملّا فیروز کا گروہ اس کے انتقال کے بعد کچھ عرصے تک محمود کے گروہ میں شامل رہا۔ لیکن بعد کو فیروز، محمود اور وجہی یہ تینوں شاعروں کے احباب و تلامذہ ایک ہی حلقے سے منسوب ہو گئے جو وجہی کا یا کٹورا حوض کا مغربی حلقہ کہلاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ملّا وجہی سلطان محمد قلی کے بچپن کا ندیم اور مقرب خاص تھا۔ اس نے تخت نشینی کے بعد اپنے قدیم مقرب کو دربار میں جگہ دی۔ ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز کیا اور بیش قرار تنخواہ مقرر کر کے "قطب مشتری" لکھنے پر مامور کیا۔ یہ کتاب بھاگ متی اور محمد قلی کی باہمی عشق و عاشقی کی بے مثل داستان ہے ۔ اور اس کی ترتیب و تصنیف میں بادشاہ کے علاوہ بھاگ متی کے انعام و اکرام اور قدر افزائی کو بھی بڑا دخل تھا۔ وہ اس وقت سلطنت کی سب سے دولتمند شخصیت تھی اور بادشاہی دربار میں جب آتی تو اس کے ساتھ ایک ہزار سوار ہوتے۔

میاں یوسف مصور کٹورا حوض کے منڈیر پر بیٹھ گئے اور جیب سے ناس کی ڈبیا نکالتے ہوئے خطاط خاں کو قریب آکر بیٹھنے کا اشارہ کر کے کہنا شروع کیا "بھائی ملا وجہی کی خوش قسمتی دیکھو۔ کیا زمانہ تھا! تم کو یاد ہو گا یہ مغربی حلقہ سلطان محمد قلی کی زندگی تک کٹورا حوض پر چھایا ہوا تھا۔"

خطاط خاں نے بات کاٹ کر کہا۔ "ارے میاں میں جانتا ہوں کسی دوسرے کنارے کے حلقے والے وجہی تو کیا اس کے تلامذہ سے آنکھ تک نہیں ملا سکتے تھے۔"

مگر بھائی اُستاد وجہی بھی تو شروع ہی سے اپنے کمالِ فن پر ایسے نازاں اور اپنی فضیلت کے اظہار میں ایسے بے باک تھے کہ اکثر نوجوان ان کی مزاجداری سے تنگ آکر مغربی گروہ یعنی ملا غواصی کے حلقے میں شامل ہو جاتے تھے طلعتی کا واقعہ کیا تم کو یاد نہیں؟" میاں یوسف نے پوچھا۔

"کیوں نہیں؟ یہ اصل میں ملا احمد کا حلقہ تھا جو جنوبی گروہ کہلاتا تھا۔ وہی ملا احمد جنھوں نے یوسف زلیخا لکھی۔ لیکن اس جوانمرگ کے بعد سے یہ حلقہ تمھارے تُنک مزاج محلہ دار ملا غواصی کے نام سے مشہور ہو گیا۔"

"ہونا چاہیئے تھا۔" میاں یوسف نے تیز ہو کر کہا۔ "آپ کے حضرت وجہی نے ملا احمد کے بعد سے کسی مشاعرہ میں جنوبی حلقہ کو تسلیم ہی نہیں کیا اور یہی وجہ تھی کہ میاں غواصی نے اُن کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ اور اگرچہ بادشاہ کے خوف سے مشاعروں میں استادالسلطان کے کلام پر اعتراض نہیں ہوتے تھے لیکن اسی کٹورا حوض کے جنوبی کنارے پر اُن کے اشعار ہمیشہ ہدفِ ملامت بنے رہے۔ یہاں تک کہ دونوں کے طرفداروں کے آپس میں بعض وقت جھڑپ بھی ہو جاتی۔ ملک خوبی کی کہنی ٹوٹ گئی تھی یاد ہے؟"

"مگر میاں زمانہ کو بدلتے کیا دیر لگتی ہے؟" مصور کی پیٹھ پر ہاتھ ٹھوک کر خطاط خاں نے کہا "ملا وجہی اس حوض کی طرف محمد قلی کی وفات کے بعد سے شاید ہی کبھی آئے ہیں۔ اس لئے بھی غواصی والوں کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ اُن کے حلقہ میں روز بروز وسعت ہونے لگی اور رفتہ رفتہ ملا وجہی نے نہ صرف کٹورا حوض پر اپنی جگہ خالی کر دی بلکہ شاعروں اور دیگر ادبی مجلسوں میں بھی آنا جانا

ترک کر دیا۔ آخر تمھارے دوست میاں غواصی کو موقع مل گیا۔ ان کی اہمیت اب سلطان عبداللہ کے زمانے میں اس قدر بڑھ گئی ہے کہ مجبوراً حضرت وجہی کو شاعری بھی ترک کرنی پڑی۔ صرف ایک مشغلہ رہ گیا ہے "سب رس" لکھنے کا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان عبداللہ غواصی کی شاعری کو پسند فرماتے ہیں لیکن اپنے نانا کے وقت کے ملک الشعرا اور مقرب خاص ملاّ وجہی کی بے وقعتی بھی نہیں کرنا چاہتے۔ بات یہ ہے کہ ملاّ وجہی کے مقابلے میں میاں غواصی کا چراغ جلنا مشکل تھا۔ وجہی کی ہمہ گیر شخصیت نے گولکنڈہ میں سیکڑوں شاعر پیدا کر دیے اور یہاں کے ذرہ ذرہ کو آفتاب بنا کر چمکا یا۔"

میاں یوسف سنتے رہے پھر چونک کر کہا "یہ تو صحیح ہے۔ محمد قلی عرش آشیانی کے زمانے میں حضرت وجہی کی وجہ سے شاہی محل کے خوشنویس، مصور و نقاش جلد ساز، مسطر کش، شیرازہ بند، خدمت گار تک شعر و سخن کے ذوق سے سرشار تھے۔ شاہی محل کی ساتوں منزلیں اور ہر منزل میں کام کرنے والے سب کے سب حضرت وجہی کے زیر اثر تھے اور ان میں سے ہر جوہر قابل کو حضرت وجہی نے شاعر بنا دیا تھا۔"

دوسرے بوڑھے نے کہنا شروع کیا: "ارے میاں یہ ملک خوشنود بھی تو انہی کا فیض یافتہ ہے۔ وہ پہلی دفعہ اُن کی بیماری میں ان کی خدمت میں باریاب ہوا اور پھر کچھ ایسا گرویدہ ہوگیا کہ جہاں محل کے کاموں سے فرصت ملتی استاد کے یہاں موجود اور بیجاپور جانے سے قبل تو اس کو شعر و سخن ہی سے کام تھا۔"

یہ دونوں بوڑھے اپنی ختم نہ ہونے والی گفتگو میں محو ہیں۔ انھیں خبر تک نہ ہوئی کہ اس اثناء میں ایک نوجوان قریب آبیٹھا ہے جو وضع قطع سے درباری معلوم ہوتا ہے۔ اس کو شاعروں کی قدیم نوک جھوک اور ملک خوشنود کے ابتدائی حالات سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق ہے اس لئے ان بوڑھوں کی باتیں سننے ٹھہر گیا۔ جب خطاط خاں نے اپنی تقریر ختم کی تو اس نوجوان کی زبان سے نکلا:-

"آپ جانتے بھی ہیں ملک خوشنود کو آج بیجاپور اور گولکنڈہ کی سیاسی دنیا میں کیا اہمیت حاصل ہے؟"

اسی نئی اور تیز آواز پر یہ دونوں بوڑھے چونک پڑے اور حیران تھے کہ یہ اجنبی کب سے ہماری باتیں سن رہا ہے خطاط خاں نے ترشرو ہو کر کہا "آپ کو ہماری آپس کی باتوں میں دخل دینے کا کیا حق ہے؟ آپ ہیں کون؟ کیسا زمانہ آگیا ہے: نوجوانوں میں نشست و برخواست، اور گفتگو کے آداب بھی اب باقی نہ رہے! میں یہ پوچھتا ہوں ......"

نوجوان نے دیکھا کہ یہ بوڑھا جھلا گیا ہے۔ نہ معلوم کیا کیا کہہ ڈالے فوراً کہنا شروع کیا:-

"قطع کلام معاف کیجئے مجھے آپ نے نہیں پہچانا؟ میں آپ کے قدیم دوست دھان کوٹے والے چاند میاں کا بیٹا ہوں۔"

"ارے تم ہو۔ کیا جوانی تھی تمھارے باپ کی بھی! آج وہ زندہ رہتے تو ہم سے اچھے نظر آتے، ملک خوشنود کا حال تم کو کیا معلوم تم تو بچے ہوں گے، تم نے اُسے دیکھا بھی نہ ہوگا۔"

بوڑھے نے ناس کی ڈبیا کھولتے ہوئے کہا "جی نہیں قبلہ میں اُن سے اچھی طرح واقف ہوں بلکہ ابھی اُن کو حسین ساگر کے قریب چھوڑ آیا ہوں۔"

"کیا وہ اس قدر جلد چلا گیا!" بوڑھے نے تعجب سے پوچھا۔

"اس قدر جلد کیا معنی؟ وہ تو کئی مہینے یہاں رہے۔ اس اثنا میں بڑی ہنگامہ آرائیاں رہیں بڑے بڑے مشاعرے ہوئے اور"

"اچھا یہ تو کہو کہ گولکنڈہ کے اس حبشی غلام کو بیجاپور میں اتنی اہمیت کیونکر حاصل ہوگئی۔ تم تو بھاگ نگر ہی میں چوک کے قریب رہتے ہو جہاں شاہی ملازمین کی چہل پہل رہتی ہے تم کو تو معلوم ہوگا" میاں یوسف نے دریافت کیا۔

"کیا آپ حضرات حیدرآباد کی دنیا سے بالکل کورے ہیں وہ اب گولکنڈہ شہر سے اتنا دور ہوگیا! بات یہ ہے کہ جب جلوس بیجاپور جارہا تھا ملک خوشنود ہمیشہ شہزادی کی زرنگار پالکی کے قریب رہا کرتے تھے اور اثنائے سفر میں انھوں نے ایسی خدمات شائستہ انجام دیں کہ خواجہ سراؤں کے زمرہ میں ممتاز سمجھے جانے لگے اور ملکۂ عالیاں خدیجہ سلطان نے ان کی منزلت بڑھا دی۔ بیجاپور پہنچ کر تو ملک خوشنود نے بادشاہ کے مزاج میں ایسی جگہ پیدا کی کہ خود بیجاپور والوں کو رشک آنے لگا۔ چونکہ خدیجہ سلطان شہربانو بیگم یہاں سے شعر و سخن کا ذوق اپنے ساتھ لے گئی تھیں بیجاپور میں انھوں نے اس کو جاری رکھا اور ملک خوشنود کے ذریعے سے ایک اعلان عام کرایا کہ جو

کوئی فارسی کتابوں کے بہترین اُردو ترجمے کرکے ہماری بارگاہ میں پیش کریگا شاہی انعام واکرام سے مالا مال کردیا جائے گا۔ چنانچہ بیجاپوری شاعروں نے بڑی بڑی اور اعلیٰ پایہ کی کتابیں لکھیں۔ اس مسابقت میں آپ جانتے ہوں گے رستمی کا "خاور نامہ" اول قرار پایا اس کا ایک بہترین با تصویر مجلد نسخہ ملکہ نے اپنے بھائی سلطان عبداللہ کے لئے بیجاپور سے روانہ کیا تھا۔ ملک خوشنود کی کتاب "ہشت بہشت" بھی اسی طرح کے معرکے میں اول آئی تھی۔

آخر کار ملک خوشنود خواجہ سراؤں کے زمرے سے نکل کر شاعروں کے حلقے میں داخل ہوگئے اور ملکہ کی نوازش وعنایات بے پایاں کے باعث بیجاپوری دربار کے روح رواں بن گئے۔ محمد عادل شاہ کو بے وفا خواص خاں کے پنجے سے رہائی دلانے میں بھی ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ انہی کی رائے سے سلطان عبداللہ سے مدد طلب کی گئی تھی اور انہی کی تدبیر کے مطابق قطب شاہی فوج نے خواص خاں کو گھیر کر قتل کر ڈالا۔ اس واقعہ سے سلطان محمد عادل شاہ اتنا خوش ہوئے کہ انھوں نے ملک خوشنود کو خاص اعزاز عطا کیا اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کی امداد کا شکریہ ادا کرنے کے لئے انہی کو گراں بہا تحائف وہدایا کے ساتھ یہاں روانہ کیا تھا۔ چنانچہ ملک خوشنود تین زنجیر فیل، چھ راس اسپ اور متعدد قیمتی تحفوں کے ساتھ جب حیدرآباد کے قریب پہنچے تو حضرت سلطان عبداللہ نے دوسرے سفیروں کے مقابلے میں اُن کی تعظیم وتکریم بہت زیادہ کی اور اپنے خواجہ سراؤں اور امیروں کو ان کے استقبال کے لئے روانہ کیا۔ میں بھی استقبال کرنے والوں میں تھا۔ اور حسین ساگر کے کٹے پر ہم نے

اُن کا استقبال کیا۔ ایک وجیہہ امیر کو عالیشان اماری میں بیٹھا دیکھ کر یقین نہیں آسکتا تھا کہ یہی گولکنڈہ کا وہ غلام ہے جو بلقیس زمانی خدیجہ سلطان کی زرنگار پالکی کے ساتھ بیجاپور تک پیدل بھاگتا گیا تھا۔ آج وہی حیدرآبادی غلام بیجاپور کے شاہی ہاتھی پر عالیشان عماری میں سوار اپنے وطن کو واپس آرہا ہے اور یہاں کے بڑے بڑے امراء و معززین اعزاز و احترام کے ساتھ اس کو حیدرآباد لا رہے ہیں۔

شہر میں پہنچنے کے بعد بادشاہ نے ملک خوشنود کو خاصہ سرفراز فرمایا۔ نارائن راؤ جمعدار کی ڈیوڑھی اُن کے قیام کے لئے خالی کرادی گئی۔ اور جب تک وہ حیدرآباد میں مقیم رہے ہر وقت دربار میں ممتاز حیثیت سے شریک ہوتے رہے۔ ملک الشعراء غواصی کو بھی بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ حسین ساگر کے کنارے تک جاکر ملک خوشنود کا استقبال کریں لیکن ملک الشعرا کو خیال تھا کہ (ایک تو یہ وہی زر خرید غلام ہے اور دوسرے ان کے قدیمی رقیب ملا وجہی کے شاگردوں میں سے ہے) ایک ایسے شخص کے استقبال کے لئے جانا ایک ملک الشعراء کی شان اور اعزاز کے منافی تھا۔ وہ ناسازئی مزاج کا عذر کرکے گھر میں بیٹھ رہے۔ لیکن یہ عذر کب تک۔ بادشاہ نے اپنی ہمشیرہ کے درباری ملک الشعراء ملک خوشنود کے اعزاز میں ایک عالیشان مشاعرہ ترتیب دینے کا حکم دیا اب ملا غواصی کو لامحالہ گھر سے نکلنا پڑا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ملک خوشنود نے مشاعرے میں اپنی دھاک بٹھادی۔ یوں بھی جب وہ حیدرآباد میں داخل ہونے کے بعد پہلی دفعہ دربار شاہی میں حاضر ہوئے تو بادشاہ کی تعریف

میں ایسا قصیدہ پڑھا اور اس خوبی سے پڑھا کہ ان کی آواز اور لب و لہجہ سے سارا دربار محو حیرت ہو گیا۔

غرض اس مشاعرہ کے بعد سے ملا غواصی نے معلوم کرلیا کہ ملک خوشنود صرف ایک زرّین کمر غلام اور وجہی کا معمولی شاگرد ہی نہیں بلکہ ایک بلند پایہ شاعر اور قابل قدر مدبر اور سیاس ہے! وہ اس غلام کی قسمت پر رشک کرنے لگے۔لیکن خالی رشک کرنے سے کیا ہوتا نہ ملا غواصی ملک خوشنود بن سکتے اور نہ ملک خوشنود، ملا غواصی۔

ایک دن رات میں ملا غواصی ملک خوشنود کی ڈیوڑھی پر پہنچے۔بیجاپوری خادموں، خواجہ سراؤں اور درباریوں کی دنیا ان کے لئے بالکل اجنبی تھی ملک۔خوشنود اپنی شانِ خواجگی میں جلوہ گر تھے۔جب اُن کو اطلاع ہوئی کہ قطب شاہی ملک الشعراء اُن کی ملاقات کے لئے آئے ہیں تو انھوں نے آگے بڑھ کر غواصی سے معانقہ کیا ان کی تشریف آوری کو ملک خوشنود اپنی قدر افزائی سمجھتے تھے اور اُدھر غواصی ان کے اخلاق و تعظیم و تکریم سے اس قدر متاثر ہو گئے تھے کہ انھوں نے تخلیہ میں ملک خوشنود کے استقبال کے معاملہ میں معافی چاہی۔بوڑھے ملک الشعراء اور اپنے استاد کے حریف مقابل کی اس تقریر کا خوشنود پر بڑا اثر ہوا انھوں نے کہا کہ:-

"آج آپ کی اِس زحمت فرمائی اور عزت افزائی کا ممنون ہوں اور متمنی ہوں کہ آپ بیجاپور چلنے کی دعوت قبول کریں۔میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی میری طرح سلطنت کی سفارت کی خدمات انجام دیں

اور میرے ساتھ گولکنڈہ کے سفیر کی حیثیت سے بیجاپور چلیں۔
انشاءاللہ وہاں آپ اسی طرح اعزاز و اکرام اور شاہی انعام
و نوازشات سے مالا مال ہوں گے جس طرح میں گولکنڈہ میں
بہرہ ور ہوا۔"

بوڑھے غواصی کے لئے یہ دعوت مژدۂ روح پرور تھی۔ وہ راضی ہوگئے مگر انھیں یقین نہیں تھا کہ ہمارے ملک کے امراء اور خود بادشاہ سلامت اس کو منظور کریں گے۔ ملک خوشنود کے لئے اجازت حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ آخر وہ دن آ ہی گیا کہ نوجوان ملک خوشنود کے ساتھ بوڑھے ملک الشعراء ملا غواصی بڑے تزک و احتشام اور بیش بہا تحائف کے ساتھ گولکنڈہ کے سفیر کی حیثیت سے بادشاہ کی طرف سے محمد عادل شاہ کی کامیابی پر مبارکباد اور تہنیت ادا کرنے کی غرض سے جانب بیجاپور روانہ ہوئے۔ اور گولکنڈہ اور بھاگ نگر کے امراء، شرفاء، اور صاحبانِ علم و فضل حیران ہیں کہ کیا آیندہ سے سفارت کا کام بھی اردو شاعروں ہی کے تفویض کر دیا جائے گا! یہی ایک خدمت بچ رہی تھی جس پر گولکنڈہ اور بیجاپور کے اُردو شاعر اپنا قبضہ نہ کر سکے تھے ورنہ ان شاہی درباروں میں ترقی پانے کے لئے شعر و سخن کا ذوق ایک گونہ لازمی ہو گیا تھا

شہزادی کا عقد (سنہ ۱۰۶۵ھ)



سلطان عبداللہ قطب شاہ بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کے بڑے معتقد ہیں۔ آئے دن کسی نہ کسی بزرگ کی زیارت کے لئے نکلتے ہیں، اور ہر صاحبِ باطن سے یہی التجا ہے کہ ایک ایسے فرزند کے لئے دعا کریں جو اُن کے بعد قطب شاہی تخت و تاج کا وارث اور حکمرانی کا اہل ہو۔

شاہ نعمت اللہ کی سرائے حیدرآباد میں بہت مشہور ہے۔ یہ اس شاہراہ عام پر واقع ہے جو گولکنڈے سے چارمینار کو آتی ہے۔ اس کے قریب گلبرگہ کے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کے پڑپوتے حضرت شاہ راجو بیجاپور سے تشریف لاکر قیام پذیر ہیں۔ ان کے اخلاق ظاہری اور فیوضِ باطنی، دور دور تک مشہور ہوچکے ہیں ایک امیر نے ان کے قیام کے لئے

وہیں ایک خانقاہ یا مکان تعمیر کر دیا جس کا دروازہ دن میں ہر وقت بند رہتا ہے اور جب شام کو کھلتا ہے تو خلق اللہ کے اژدہام کی وجہ سے جگہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ امیر و غریب سب زمین بوس ہوتے ہیں نذر گزرانتے ہیں اور حضرت کی برکات سے فیض یاب ہو کر واپس ہوتے ہیں۔

سلطان عبداللہ بھی اس بارگاہ میں کئی بار حاضری دے چکے ہیں۔ ایک دفعہ وہ شرف نیاز حاصل کر کے واپس ہو رہے تھے کہ ایک قبول صورت نوجوان چنھیڑے لگائے ہوئے نظر پڑتا ہے اس پر نظر پڑتے ہی حضرت شاہ راجوؒ نے جو کم بولتے تھے زور سے نعرہ لگایا:۔

"دیکھنا ایک بادشاہ گیا اور دوسرا بادشاہ آیا"

حاضرین میں بڑے سے بڑے امیر اور محتاج سے محتاج فقیر سب ہی شامل ہیں اور یہ سب حیران ہیں کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے؟ حضرت نے اس غریب نوجوان کو صحن جھاڑنے کی خدمت سپرد کی۔ مثل مشہور ہے جتنے منہ اتنی باتیں، ہر شخص شاہ صاحب کی بارگاہ سے واپس ہوتے وقت آج شام کے واقعہ پر کچھ نہ کچھ تبصرہ کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ ایک کہتا ہے کہ "آج کا حضرت کا ارشادِ مبارک سمجھ میں نہ آیا!"

دوسرے نے نہایت سنجیدگی سے کہا:۔ "جناب یہ ایک پیشین گوئی معلوم ہوتی ہے" تیسرا کہتا ہے:۔ "رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند۔ حضرت اس ملک کے قطب ہیں جس کو چاہیں بادشاہ بنا دیں"

ایک بدعقیدہ نوجوان نے اس گفتگو میں یوں دخل دیا:۔ "اس افلاس سے

تو میں ہی بہتر تھا مجھے کیوں نہیں بادشاہ بنا دیتے ؟"
ایک بڈھے نے ہتھیار سنبھالتے ہوئے اس کی طرف پلٹ کر ڈانٹا ۔
" اگر آپ کے حضرت قبلہ کی شان میں ایسی گستاخی کی تو سر اُڑا دوں گا
تو کیا جانتا ہے ؟ کل کا بچہّ اور اتنی بڑی باتیں ! کیا اب مدرسوں میں
ایسی ہی بے ادبیاں سکھائی جاتی ہیں ؟ کیا اہل شہر میں سنجیدگی اور
متانت باقی نہیں رہی ؟"

—— (۲) ——

سلطان عبداللہ کی تیسری صاحبزادی کے عقد کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ایک عرصے کے بعد پھر قلعے اور شہر میں آرائش و تزئین کی گرم بازاری ہے ہر طرف دھوم دھام ہے۔ تمام امرائے دربار بھی اپنے اپنے محلوں اور باغوں کو رشکِ فردوس بنانے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

نوشہ بننے والے سید سلطان کو حسینی علم کے قریب ایک عالیشان حویلی میں اُتارا گیا ہے جیسے جیسے عقد کی تاریخ قریب آرہی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف سارا قلعہ اور شہر بلکہ تمام صوبجات اور اضلاع کے خوش باش تماش بین نوشہ کے قصر سے قلعہ کے دولت خانۂ عالی تک کی درمیانی سڑک کے دونوں جانب کھنچ کر آگئے ہیں۔ تین چار میل کا راستہ خیموں، شامیانوں اور آراستہ مکانوں سے معمور ہے ۔ راستہ کی تمام دکانیں اور ان کے بالا خانے معمول سے کئی چند زیادہ کرایوں پر صرف دو ہفتوں کے لئے حاصل کرلئے گئے ہیں اور ہر صاحبِ ثروت کی یہی خواہش ہے کہ اپنے ہم چشموں سے بڑھ کر اس شاہی تقریب کے تمام رسومات

اور نوشہ کے شب گشت و بازگشت کے جلوس کے مناظر سے لطف اندوز ہو سکوں بالاخانوں، خیموں اور شامیانوں کے عقب میں جہاں کہیں جگہ ملی بڑے بڑے بازار قائم ہوگئے ہیں کسی کا دل نہیں چاہتا کہ شاہی برات کے راستے کی گوناگوں دلچسپیاں چھوڑ کر روزمرّہ کی چیزیں خریدنے کے لئے بھی دور دراز بازاروں کا رُخ کرے۔

ہزاروں آدمی ہیں کہ کئی دن سے اسی سڑک کے آس پاس تماشہ بینی میں منہمک ہیں دن کے وقت زرق برق لباس پہنے ہوئے شاہی خدام کا طرح طرح سے سجے ہوئے ہاتھیوں اور اونٹوں اور گھوڑوں پر قلعہ سے شہر اور شہر سے قلعہ کو آنا جانا، ہر ہاتھی اور اونٹ کی جداگانہ آرایش و زیبائش، امیروں کے ہاتھیوں پر قسم قسم کی وضع قطع کی روپہلی اور سنہری عماریوں کا دھوپ میں جگمگانا، اور نقالوں اور بھانڈوں کے حیرت انگیز کرتب، اور رات میں طرح طرح کے رنگ اور زہرہ جبیں طوائف کے ناچ اور گانے غرض مسلسل چوبیس گھنٹے گوناگوں دلچسپیوں کا ایک متلاطم دریا ہے کہ بہا چلا جارہا ہے۔

—(۳)—

دیکھتے دیکھتے ساچق کا دن آگیا، اور دراصل اسی رسم سے شادی اور اس کی دلچسپیوں کا آغاز ہوتا ہے۔ سب سے پہلے شاہی فوجوں کا جلوس، طرح طرح کے باجوں کا ہنگامہ اور پھر سیکڑوں نازک اندام اور شوق وشنگ کا ماماؤں کے سر پر ساچق کی رنگا رنگ تھلیوں کا، قلعہ سے شہر کی طرف جانا ایک ایسا سماں پیدا کر رہا تھا جس کو زبانِ قلم سے بیان کرنا قطعاً ناممکن ہے۔ جہانتک

نظر دوڑتی ہے یہی رنگین سبو چے قطار در قطار (سر پر لئے چلنے والیوں کی مستانہ رفتار کے ساتھ) ایک ذخار سمندر کی مست موجوں کی طرح حرکت کرتے اور آگے کو بڑھتے نظر آتے تھے۔

اِدھر تو شاہراہ کے دونوں طرف گولکنڈہ اور حیدرآباد کی ساری خلقت ساچق کا جلوس دیکھنے میں مشغول ہے اور اُدھر صحنِ خانقاہ میں حضرت شاہ راجوؒ کے معتقدین وفقراء مٹی کے آبخوروں اور وضو کے لوٹوں پہ رنگ برنگ کی لکیریں کھینچ کر اور لال پیلے کاغذ چپکا کر اپنے ہاتھوں اور سروں پر لیے ہوئے گشت لگا رہے ہیں، کیونکہ شاہ صاحب اپنے دیرینہ خادم ابوالحسن کا رسم ساچق منانا چاہتے ہیں یہ وہی ابوالحسن ہے جس کو آتا دیکھ کر کئی سال قبل شاہ صاحب نے کہا تھا کہ:-
"ایک بادشاہ آیا"

اسی طرح جس روز شاہی محلات میں مہندی کے رسوم ادا کئے گئے حضرت شاہ راجوؒ نے ٹہلتے ٹہلتے ابوالحسن کو جو وہیں صحن کی صفائی میں مصروف تھا نزدیک بلایا اور اس کی انگلیوں پر قریبی درخت کے چند پتے توڑ کر مہندی کی طرح لگا دیئے

—— (۴) ——

شہر کی مخلوق اور حضرت شاہ راجوؒ کے مریدین ومعتقدین سب اپنی اپنی دلچسپیوں میں محو ہیں، اور کسی کو اس حیرت ناک ڈرامے کی خبر نہیں جو ان کی نظروں سے اوجھل بالاحصار کی اندرونی فصیلوں میں شاہی محل میں کھیلا جا رہا ہے۔

اس ڈرامے کا سب سے دلچسپ اور عروجی حصّہ وہ تھا جب دلہن اس کی بڑی بہن اس کی ماں، اور بادشاہ کا بڑا داماد سید احمد چاروں اپنی اپنی جگہ خنجر ہاتھ میں لے کر

بیٹھ گئے کہ جہاں یہ دولہا دیوان خانے میں داخل ہوا اور ہم سبھوں نے اپنا اپنا خاتمہ کرلیا۔"
بادشاہ تک اس تشویش ناک واقعہ کی خبر پہنچی۔ وہ اپنے بڑے داماد سید احمد اور ہونے والے داماد سید سلطان کی اچانک باہمی مخالفت سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کی بڑی لڑکی اور اس کا داماد، اور ان دونوں کے اثر سے خود ملکہ اس رشتہ سے ناراض ہیں، لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ معاملہ اس قدر نازک ہو جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ گزشتہ رات میں ملکہ کی مخالفت، اور سید احمد کے اصرار پر انھوں نے غصہ میں کہدیا تھا کہ :-

"سید احمد میری لڑکی کا مالک نہیں ہے کہ جس سے چاہے رشتہ کرے اور جس سے چاہے توڑ دے میں باپ ہوں میرا فیصلہ قطعی ہے کہ چھوٹی لڑکی کا عقد سید سلطان ہی سے ہوگا۔"

اب جو بادشاہ محل میں پہنچ کر حقیقت حال سے واقف ہوئے تو انھیں کچھ سجھائی نہ دیا۔ انھوں نے فوراً حضرت شاہ راجو رح سے مشورہ لیا جنھوں نے اس نازک گتھی کو سلجھانے کے لئے اپنے دیرینہ معتقد کو بہ حیثیت نوشہ پیش کیا۔ خوش قسمت ابوالحسن اتفاق سے ملکہ کا دور کا رشتہ دار بھی تھا سب رضامند ہو گئے۔

اُسی وقت یہ غریب جس کو شاہ راجو رح کی خدمت کرتے کرتے چودہ سال گزر چکے تھے اور جس نے فقر و فاقہ کے جملہ مسالک طے کر لیے تھے محل کے اندر پہنچایا گیا محل کے شاہی حمام میں اس درویش کا شاہانہ حمام ہوا، شاہی خدام نے عروسی جوڑا جس میں اعلیٰ جواہرات ٹنکے ہوئے تھے پہنایا اور مروارید کا زرتار سہرا باندھ کر دیوان خانہ میں پہنچایا۔ قلعہ کے شریعت پناہ اور شہر کے علما، و فضلا جمع تھے فوراً رسم عقد

ادا کردی گئی۔ ارکانِ دولت اور امرائے عظام نے تہنیت کی نذریں گزرانیں، اور خطبۂ نکاح کے ساتھ ہی بالاحصار کے توپچیوں نے مبارک باد کی سَو توپیں سر کیں۔

—— (۵) ——

ادھر شہر سے گولکنڈہ آنے والی سڑک پر شب گشت کا جلوس دیکھنے کے لئے رات ہی سے خلقت کا اژدحام تھا۔ سید سلطان تیار ہو کر لباس عروسی زیبِ تن کئے شب گشت کے لئے گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا کہ بالاحصار سے توپوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ وہ اور اس کے ساتھ لاکھوں آدمی حیران ہیں کہ یہ بے وقت توپوں کی آوازیں کیسی؟ تھوڑی ہی دیر میں معلوم ہو گیا کہ قلعہ میں شاہ راجوؒ کے ایک غریب مرید ابوالحسن کے ساتھ شہزادی کا عقد ہو چکا ہے۔ سید سلطان اسی لباسِ عروسی میں شب گشت کے آراستہ و پیراستہ گھوڑے پر حیدر آباد سے بھاگا اور سیدھا شہزادہ اورنگ زیب کے یہاں پہنچ گیا جو اس وقت شہر اورنگ آباد کی آبادی اور آرائش میں مصروف تھا۔

انار کے چودہ دانے (سنہ ۱۰۹۰ھ)



کیا رسیلی آواز آرہی ہے "! گولکنڈہ کے محبوب بادشاہ نے آخری کاغذ پر دستخط کرتے ہوئے کہا۔ دادمحل کا دیوان خانہ خوش وضع امیروں اور سلیقہ مند خدمتگاروں سے معمور تھا۔ بادشاہ کی پوشاک، تخت گاہ کی آرائش، قالینوں کی رنگارنگی، پردوں کے نقش ونگار، امیروں کے حفظِ مراتب، درباری آداب، خادموں کی مستعدی غرض ہر چیز اور ہر بات میں ایک خاص شائستگی اور سنجیدگی نمایاں تھی۔

جب مادنا نے تمام کاغذات سمیٹ لیے، اور بادشاہ صبر آزما تحریری کام سے فراغت حاصل کر چکا تو امرائے عظام کی طرف ایک متبسمانہ نگاہ ڈالی۔ اس اثنا میں نغموں کی بھی کچھ دھیمی دھیمی لیکن سُریلی آوازیں آنے لگی تھیں۔

"کیا رسیلی آوازیں آرہی ہیں!" اس کی زبان سے استفسار کے طور پر پھر نکلا

میر بخشی سر جھکائے نگاہیں نیچی کئے اور ہاتھ باندھے ہوئے آگے کی طرف بڑھا اور مودبانہ لہجہ میں عرض کیا :- "بندہ پرور! چار محل کے حوض کے اطراف دھمّس کی جا رہی ہے۔ مزدورنیوں کے گانے کی آواز ہے۔"

"محنت و مشقت کو عیش و عشرت بنا لینے کا کیا بہترین طریقہ ہے!" بادشاہ نے اُٹھتے ہوئے کہا اور اُمراء کا سلام لے کر بالا خانہ کی طرف بڑھا۔ مقربان خاص ساتھ ہو گئے

"اور حضور! ان کے دھمّس کرتے میں بھی کچھ ایسی دلکشی ہوتی ہے کہ دیکھنے والا گھنٹوں محو ہو جائے۔" ایک مقرب خاص نے آہستہ سے قریب پہنچ کر عرض کیا۔

"تم کو ناچ کا لطف آتا ہوگا۔" بادشاہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

بالا خانے سے چار محل کی تمام نئی نئی رنگین عمارتیں ہتھیلی میں نظر آ رہی تھیں اور ان کے درمیان وسیع حوض کا صاف و شفاف پانی، آئینہ کی طرح قطب شاہوں کے اس آخری تعمیری کارنامہ کو منعکس کر رہا تھا۔

"کس قدر جلد یہ محل تیار ہو گیا!" بادشاہ نے فاتحانہ انداز میں کہا۔

"ہم بہت جلد انشاء اللہ اس میں منتقل ہو جائیں گے۔"

مقرب خاص نے عرض کیا "حضور ان کے ناچ سے ضرور محظوظ ہوں گے"

"تم کو انہی کا خیال لگا ہوا ہے۔" بادشاہ نے پلٹ کر کہا "اگر تمھاری ایسی ہی خواہش ہے تو کل اس کے لئے انتظام کرا دو۔"

—— (۲) ——

دوسرے روز موسیٰ ندی کے کنارے چار محل کی سر بفلک عمارت سرِ شام ہی سے اہلِ شہر کی تماشا گاہ بن جاتی ہے ہر محراب بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ چار محل کے درمیان کا عظیم الشان حوض پانی سے لبریز ہے اس کے اطراف روشنی اور آتش بازی کے غیر معمولی انتظامات

کئے گئے ہیں۔ رنگ برنگ کے قمقموں کا عکس متحرک پانی میں عجیب دلفریب منظر پیش کرتا ہے۔ حوض کی کشادہ سیڑھیوں کے نزدیک ایک سفید براق کشتی بادشاہ کے انتظار میں کھڑی ہے اس کے چاروں طرف چاندی کے تختے جڑے ہوئے ہیں ہاتھی دانت اور سیپیوں کے نقش ونگار ہیں۔ چراغوں کی شعاعوں سے جواہرات کا دھوکا ہو رہا ہے۔ حوض کے ہر پہلو میں چراغوں کی قطاروں کے درمیان رقص کرنے والی چاق وچوبند مزدورنیاں ایک ہی وضع کے تاش کا چست لباس پہنی پریوں کی طرح پرا جمائے کھڑی ہیں۔ ان غریبوں کی خوش قسمتی پر محل کی سہیلیں اور کامنیں رشک کے دریا میں ڈوب رہی ہیں۔ آج ان کی بن آئی ہے کیونکہ بادشاہ تاش کے قیمتی جوڑے کے علاوہ سیم وزر کی ایک ایک تھیلی بھی عطا کرنے والا ہے اور یہ سب کچھ ان کی عمر بھر کی کمائی سے زیادہ قیمتی ہے۔ گولکنڈہ کے مزدور بھی بڑے خوش قسمت تھے۔ آغاز شباب ہی میں شاہی عمارتوں کی تعمیر کی بدولت غیر معمولی انعام واکرام میں اتنا کما لیتے کہ برسوں مزدوری کا نام نہ لیتے اور اس فارغ البالی کا یہ نتیجہ ہوتا کہ تلاش کرنے پر بھی مزدور کا ملنا دشوار ہو جاتا۔

جب عشاء کی نماز ختم ہو گئی اور چراغ اپنی بہار دکھانے لگے تو بادشاہ کی آمد آمد کی دھوم مچ گئی۔ فراشوں نے دیکھنا شروع کیا کہ کہیں فرش پر تو کوئی شکن نہیں رہا ہے مشعلچیوں نے روشنی کا ایک اور دفعہ جائزہ لیا۔ آتش بازی والے اپنی اپنی جگہ بتوں کی طرح استادہ ہو گئے اور تاش پہنی ہوئی شوخ وچنچل مزدورنیاں اپنی اپنی پوشاک اور سج دھج کو درست اور اپنے جسم کے ہر ابھار کو نمایاں کرنے میں منہمک ہو گئیں وہ اس وقت خوشی وانبساط کی وجہ سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ کیونکہ بادشاہ سلامت

بہ نفس نفیس ان کی کارگزاری ملاحظہ کرنے کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔
اُدھر ڈیوڑھی کے سپاہیوں نے باہر سلامی دی اور یہاں ساکت وصامت مجمع متحرک ہوگیا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا کہ جادو کے زور سے بے جان پتلوں میں جان آگئی ہے۔ قسم قسم کی آتشبازیوں کا چھوٹنا مزدوربنوں کا سُریلی آوازیں گانا اور حوض کے اطراف میں دھمّس کرنا ایک وقت شروع ہوگیا اور ابھی بادشاہ کشتی میں سوار نہ ہونے پائے تھے کہ آتشبازی کے رنگارنگ مصنوعی درخت، جانور اور انسان حرکت کرنے لگے دھمّس کرنے والیوں کی بل کھاتی ہوئی کمریں اور مستانہ انداز میں حرکت کرنیوالے پاؤں زیروبم کی عجیب کیفیت پیدا کر رہے تھے چراغوں اور آتشبازی نے وہ سماں پیش کردیا تھا کہ ناچنے والی سرمست شباب لڑکیوں کے زرتار لباس کہکشاں کے مانند جگمگا رہے تھے۔ اُن کی سریلی آواز اور تھرکتی چال قدم قدم پر بجلیاں گرا رہی تھی۔ روشنی کے انعکاس میں ان کے جسم کا ایک ایک عضو شاخ نخل طور کی طرح نظر آرہا تھا اور شبہ ہوتا تھا کہ آیا یہ انسان ہیں یا انسان نما نور کی پتلیاں۔
ہردل عزیز تاناشاہ کشتی میں سوار دریائے محویت میں غرق ہے اس عالم سرخوشی میں اس کے پیرومرشد کی خانقاہ سے اس کے زمانۂ فقروفاقہ کا ایک لنگوٹی یار چار محل کے دروازہ پر پہنچا ہے۔ امراء اس وقت بادشاہ کے دربار عیش وانبساط میں ایک چیتھڑے لگائے ہوئے درویش کی باریابی کیونکر پسند کرسکتے؟ پہرے کے سپاہیوں نے اس کو وہیں روک لیا۔ درویش ماننے والا انسان نہ تھا۔ آزادوں کو اس طرح کی بندشیں کب گوارا ہوتی ہیں؟ اس نے وہیں سے اپنے پُرانے یار غار کو آواز دی۔ دوُر سے "تانے شاہ تانے شاہ" کی آواز سُن کر بادشاہ چونکا ہوا۔ اُس نے

خیال کیا کہ شاید ایک لمحہ کے لئے میری آنکھ لگی تھی اور میں نے خواب میں اپنے قدیم ساتھی کو پکارتے سنا۔ مگر پھر وہی آواز سنائی دی۔ اب زرپوش رقص کرنے والیوں کے نغمے آتشبازی کا شور، باجوں کی گونج غرض ہر جگہ سے اس کو "تانے شاہ تانے شاہ" کی آواز نکلتی ہوئی سنائی دینے لگی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا حوض کے کنارے امرائے دربار کے درمیان واقعی اس کا پرانا دوست چندا شاہ، اس کو پکار رہا ہے اور وہ سب اس کو منع کر رہے ہیں۔

بادشاہ کی کشتی فوراً کنارے آلگی۔ فقیر اس میں کود پڑا۔ سارا مجمع اس کا منہ تکتا رہ گیا فقیر نے اپنی جھولی سے ایک انار نکالا اور اپنے قدیم دوست کے آگے پیش کرتے ہوئے کہا:۔

"پیر و مرشد نے بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ جہاں کہیں پاؤں تمھیں یہ انار سالم کا سالم کھلا کر واپس آؤں"۔

ابوالحسن قطب شاہ ایک میلے کچیلے چیتھڑے لگے ہوئے فقیر سے بغل گیر ہوتا ہے اور اپنے پیر کے بھیجے ہوئے انار کو سر آنکھوں پر رکھ کر اس میں سے پانچ دانے نکالتا ہے لیکن ان کو منہ میں ڈالنے کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ انار کھٹا ہے۔ تھوک دینے کی مجال نہ تھی بمشکل سے نگل گیا۔ مگر فقیر اسی پر چپ رہنے والا تھوڑا ہی تھا۔ اس نے مجبور کیا۔ بادشاہ نے اس کی مروت اور قدیم تعلقات کی بنا پر پانچ دانے اور کھائے فقیر نے پھر اصرار کیا۔ بادشاہ نے کہا "بھائی تم اس کو یہاں چھوڑ جاؤ میں پھر کھا لوں گا"۔ کیا کہا! تانا شاہ! پیر و مرشد قبلہ کی عدول حکمی کروں۔ چندا شاہ کے ساتھ تم اتنے سال رہے! کبھی مجھ سے ایسا گناہ سرزد ہوا؟"

"تانا شاہ اور چیندا شاہ کے آپس کا معاملہ تھا۔ مقربان خاص کو بھی دخل دینے کا یارا نہ تھا۔ آخر کار تانا شاہ نے کہا "میں کب عدول حکمی کرنے کے لئے کہہ رہا ہوں" میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کو کھا لوں گا مگر اس وقت طبیعت مائل نہیں ہے کسی اور وقت۔"

"بھائی مجھے تو یہ حکم ہے کہ اسی وقت سب کھلا دو۔ ورنہ واپس لے آؤ۔ یہ لو تم اس وقت تو یہ چار دانے اور کھا لو۔ میں حضرت قبلہ سے اجازت لے آتا ہوں کہ بقیہ انار بعد میں کھانے کے لئے چھوڑ آؤں۔"

فقیر شاہ راجو صاحب کی بارگاہ میں ایک آن میں پہنچ گیا" تانا شاہ نے پورا انار کھا لیا" پیر و مرشد نے چیندا شاہ کو دیکھتے ہی دریافت کیا۔

"جی۔ جی۔ حضور طبیعت اچھی نہ تھی۔ چند دانے کھائے ہیں اور کہا ہے کہ بعد میں کھا لوں گا اجازت ہو تو یہ انار اس کے یہاں رکھ آؤں" چیندا شاہ نے کانپتے ہوئے عرض کیا۔

"آخر کتنے دانے کھائے کمبخت نے ؟" مرشد نے ڈانٹ کر پوچھا۔

"جی۔۔۔ ۔۔۔ پانچ۔ پانچ۔ چار) چودہ دانے کھائے ہیں۔"

" افسوس" مرشد کی زبان سے اندوہناک لہجہ میں نکلا " اس کی قسمت میں چودہ سال ہی کی بادشاہت تھی۔"

اورنگ زیب اور تانا شاہ

— (۱۰۹۸ھ) —

"اچھا تو نماز ہو رہی ہے!"

تانا شاہ نے کہا اور ساتھ ہی اس کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔

"میں نہیں سمجھتا تھا کہ مغل ہمارے نشانہ بازوں کی اتنی تحقیر کریں گے! قلعہ کے اس قدر قریب اور ہمارے تیر و تفنگ کی زد میں کھڑے ہو کر نماز با جماعت ادا کرنا مصلحت اور دور اندیشی سے یقیناً بعید ہے!! کیا اورنگ زیب جیسا دور اندیش اور ہوشیار بادشاہ بھی غلطی کر سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں یہ ایک صریحی تحقیر ہے دیکھنا! ہے کوئی یہاں اچھا نشانہ باز؟"

— (۲) —

اورنگ زیب کئی مہینوں سے گولکنڈہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہے۔ مغل فوجیں چاروں طرف سے ایک مہیب سمندر کی پُرجوش موجوں کی طرح قلعہ کی فصیلوں سے آ آ کر ٹکراتی ہیں۔ اور ہر ہر دفعہ دکنی سپاہی پہاڑوں کی چٹانیں بن کر انھیں پیچھے ہٹا دیتے ہیں۔ اس وقت آفتاب کی تمازت میں خاصی کمی ہو گئی ہے اور مغلیہ لشکر اپنی پوری قوت کے ساتھ حملوں پر حملے کئے جا رہا ہے۔ ان صفوں کے ذرا پیچھے دو تین ہموار قطاریں نظر آتی ہیں کیونکہ اورنگ زیب اور اس کے کئی مصاحب ابھی ابھی نماز کے لئے صف بستہ کھڑے ہیں۔ چند لمحے گذرنے نہیں پاتے کہ امام

یکایک تڑپ کر آگے کی طرف گر پڑتا ہے۔

— (۳) —

"خوب! شاباش!! نام رکھ لیا۔ دیکھنا صف میں سے ایک اور شخص امامت کے لئے آگے بڑھ رہا ہے ..... ہاں چھوڑنا نہیں کوئی امام نہ بچے ...... اس کو کہتے ہیں انتقامِ تحقیر!!"

شاہی حکم بجلی بن کر دوسرے امام پر گرتا ہے اور وہ بھی دکنی گلندراز کا نشانہ ہو جاتا ہے۔

دو تین بیتی اماموں کے یکے بعد دیگرے اس طرح نذرِ اجل ہو جانے کے بعد امامت کے لئے صف میں سے آگے بڑھنا کسی معمولی دل و دماغ والے کا کام نہیں! اس سرے سے اس سرے تک پس و پیش کا ایک عجیب عالم چھا جاتا ہے لیکن ابھی چند لمحے بھی گذرنے نہیں پاتے ہیں کہ خود اورنگ زیب امامت کے لئے آگے بڑھتا نظر آتا ہے اور اب گولکنڈہ کا شاہی نشانہ باز بندوق خالی کرنے ہی کو ہے کہ تاناشاہ لپک کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔

"ظالم! کیا ایک بادشاہ کو بھی نشانہ بنائے گا؟ دکھائی نہیں دیتا کہ خود اورنگ زیب اس وقت امام ہے!!"

— : —

کاغذی برج

—(سنہ ۱۰۲۸ھ)—

"تین ہفتوں سے مسلسل گولہ باری ہو رہی ہے لیکن اب تک مسمار نہیں ہو سکا!"
یہ تھے وہ الفاظ جو ہر خوف زدہ سپاہی کی زبان سے نکل رہے تھے۔

"اور توپ خانے کے کتنے گلندار نذر اجل ہو چکے ہیں! ہمارے ہر گولے کے جواب میں برج کی طرف سے برابر گولے چلے آ رہے ہیں۔ کبھی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری گولہ باری نے برج کی توپ اور اس کے چلانے والوں کو ختم کر دیا ہے لیکن ایک لمحہ گزرنے نہیں پاتا کہ پھر وہاں سے گولے برسنے شروع ہوتے ہیں گولکنڈہ کے جادوگروں نے اس برج پر جادو تو نہیں کر دیا!" مغل گولندازوں نے متفقہ آواز میں اپنے سرگردہ سے کہا جو ابھی ابھی شاہی خیمہ سے واپس ہوا تھا۔

"ہشیار! خبردار! دیکھنا پھر گولہ..... بھاگو، ہٹو' وہ گرا......
اُوہو!..... صف شکن توپ کو نشانہ بنایا ہے..... بچاؤ..... دوڑو
ابھی بہتوں میں جان باقی ہے۔ اٹھاؤ..... خیموں کی طرف..... چلو... لے چلو۔"

—(۲)—

"پیر و مرشد کئی روز سے گولکنڈہ کے اس برج کے گولندازوں نے ہم کو پریشان کر رکھا ہے متعدد توپیں ناکارہ ہو چکیں سینکڑوں سپاہی ہلاک ہو گئے" رات کو اورنگ زیب سے

سپہ سالار نے اس وقت عرض کیا جب وہ بعد مغرب حسب معمول اپنے لشکر اور مورچوں کے معائنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ جہاں پناہ نے حکم دیا کہ :-

"کل صبح اس رُخ کے جملہ مورچوں کی توپیں اسی برج کو اپنا نشانہ بنائیں اور یاد رکھنا آفتاب نصف النہار تک پہنچنے نہ پائے کہ برج کا نشان باقی نہ رہے"

پھر چند لمحوں کے سکوت کے بعد کچھ سوچ کر بادشاہ نے سپاہیوں کی اس طرح ہمت افزائی کی کہ۔

"ہم کل شام تک انشاءاللہ قلعہ میں داخل ہوجائیں گے"

بادشاہ کا ایک ایک لفظ کئی ماہ کے تھکے ہوئے جانبازوں میں زندگی کی برقی رَو دوڑانے کے لئے کافی تھا۔

(۳)

رات بھر برج کے مقابل کا میدان زندگی اور حرکت کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ فلک بوس برج کے محافظین اور گولندازوں کی نیند بار بار میدان کی آوازوں سے اچاٹ ہوجاتی اور ان میں سے اکثر کئی دفعہ نیچے خندق تک گشت لگا آئے کہ کہیں ایسا نہ ہو غنیم کا لشکر برج کے نیچے تک پہنچ گیا ہو یا سرنگوں کے ذریعے سے برج کو اُڑا دینا چاہتا ہو۔ اُن کو خبر نہیں تھی کہ یہ اُن کی زندگی کی آخری رات ہے۔ یہ خوش قسمتی اکثروں کے لئے قابل رشک تھی کہ اپنے ملک کی تباہی اور بادشاہ کا زوال دیکھنے کے لئے وہ زندہ نہیں رہے۔

صبح ہوتے ہوتے قطب شاہی محصورین نے معلوم کرلیا کہ رات کا شور و غل کیا معنی رکھتا تھا۔ برج کے مقابل کا میدان جو کل آفتاب غروب ہونے سے قبل تک ایک وسیع

ہرا بھرا مرغزار نظر آتا تھا آج آفتاب طلوع ہونے سے قبل ریت ٹیلوں اور فصیلوں سے بنائے ہوئے مورچوں کی وجہ سے ایک دوسرا قلعہ بن گیا تھا۔ مغلوں کی ہمت حیرت ناک تھی کہ چند گھنٹوں میں رات کے وقت چٹیل میدان کو ایک مضبوط قلعہ کی شکل میں منتقل کر دیا۔ برج کے نگہبانوں کی نظریں جہاں تک کام کر سکتی تھیں ہر طرف سپاہی، توپیں اور سامان حرب کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ انھوں نے دیکھا کہ ساری دنیا اُن کے مقابلے پر اُتر آئی ہے۔ جس توپ پر نظر پڑتی انہی کے برج کی طرف اُس کا رُخ دکھائی دیتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چشم زدن میں وہ اور اُن کا برج مغلوں کی گولہ باری سے نیست و نابود ہو جائیں گے۔

صبح صبح نگہبانوں نے برج کے تمام سپاہیوں اور گولندازوں کو صورت حال کی نزاکت سے آگاہ کیا۔ آثار تو ایسے تھے کہ شیر دل سے شیر دل کی ہمت پست ہو جاتی مگر معلوم نہیں کہ اس برج کے محافظوں کے سینے میں کیسے دل تھے کہ ان پر مطلق اثر نہ ہوا۔ وہ پہلے سے زیادہ پھرتی کے ساتھ اپنے فرائض میں مشغول ہو گئے اور ابھی مغل مورچے والے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ گولکنڈہ کے ان جانبازوں نے اُن کی کئی توپوں کی نشستیں بگاڑ دیں۔ اورنگ زیب کا حکم تھا کہ نماز صبح کے ختم کے ساتھ ہی حملہ کیا جائے۔ مغلوں نے شاید اس امر کا اندازہ نہیں کیا کہ اپنی جان پر کھیلنے والے نماز کا انتظار نہیں کرتے۔

برج والوں کی نازک حالت کی خبر قلعہ میں ہر طرف پھیلنے لگی۔ اور ابھی مغل توپوں کا پہلا گولہ قلعہ کی طرف آنے بھی نہ پایا تھا کہ متعدد سرباز اہلِ برج کی مدد کے لئے پہنچ گئے اور برج کے دونوں طرف کی فصیلیں توپوں اور گولندازوں سے معمور ہو گئیں ایسا

معلوم ہو رہا تھا کہ مغلوں اور قطب شاہیوں کی تمام معرکہ آرائی صرف اِسی ایک نقطہ پر سمٹ آئی ہے۔

(۴)

ابتداء میں مغل فوجیوں نے ہمت ہار دی۔ ان کو توقع نہ تھی کہ اس اہتمام کے بعد بھی قطب شاہی گلنداز مقابلے میں ٹک سکیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ پیر و مرشد نے دوپہر تک کی مہلت دی ہے ہم تو اس برج کو نو دس بجے تک ہی مسمار کر دیں گے۔ مغلوں کے لئے سب سے بڑی پریشانی اس وجہ سے تھی کہ ان کا مطمح نظر صرف برج تھا اور اس کی طرف انھوں نے اپنی جملہ توپوں کے رُخ پھرا رکھے تھے اب جو برج کے دونوں بازوؤں سے بھی ان پر ایک ساتھ گولہ باری شروع ہوئی تو قریب تھا کہ وہ اپنے رات بھر کے تیار کئے ہوئے مورچے چھوڑ کر بھاگ نکلتے مگر قسمت ہمیشہ فاتحین کا ساتھ دیتی ہے۔ اورنگ زیب بہ نفس نفیس اس طرف پہنچ گئے اور اپنے ساتھ تازہ دم گلنداز لیتے آئے اور ادھر قلعہ میں غداروں نے یہ غلط خبر اُڑا دی کہ مغل مشرق کی طرف سے فصیل توڑ کر اندر گھس آئے ہیں۔ پھر کیا تھا لڑائی کا پانسا پلٹ گیا اور دوپہر کے قریب قطب شاہی جاں بازوں کے ہاتھ قابو سے باہر ہونے لگے ان کے دل بیٹھے جا رہے تھے۔ مرتا کیا نہ کرتا برج کے ہر سپاہی نے تہیہ کر لیا تھا کہ یا تو مغلوں کو مورچوں سے بھگا دوں گا یا خود برج کی حفاظت میں جان دیدوں گا۔ کاش گولکنڈہ کے دوسرے سپاہی بھی برج کے ان سرفروش محافظین کی طرح اپنے عزم و استقلال پر قائم رہ سکتے۔

سہ پہر تک گولکنڈہ کی توپیں اطمینان سے مقابلہ کرتی رہیں لیکن جیسے جیسے آفتاب غروب ہو رہا تھا گولکنڈہ کی قسمت بھی زوال پر آمادہ ہوتی جاتی تھی اور قطب شاہیوں کی سلطنت پر اندھیرا چھا رہا تھا۔ آخر کار نماز مغرب کے قریب مغل توپوں کی دھواں دھار

بارش کے جواب میں اس منہدم شدہ برج کا آخری گولہ نکلا پھر اس برج کی توپیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئیں اور اس کے جملہ گلنداز نذر اجل ہوگئے ؏

مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا!

کیا برج والوں کا یہی کارنامہ کچھ کم قابل داد ہے کہ دوپہر کے عوض غروب آفتاب تک مغلوں کی فوج کو سرگرم پیکار رکھا، اور شہنشاہ اورنگ زیب کا حکم معرض التواء میں رہا۔ مغرب کی نماز کے وقت مغل مورچہ والوں نے اطمینان کا سانس لیا اور ان کی مسرت کی انتہا نہ رہی جب شہنشاہ اورنگ زیب فوج کی کامیابی پر مبارکباد دینے کے لئے بذات خود مورچہ پر تشریف لائے اور فرمایا کہ:۔

"سب انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ کل دوپہر تک تم گولکنڈہ پر قابض ہو گے"

(۵)

رات بھر عالمگیری سپاہ ان مورچوں پر زیر سماء چین کی نیند سوتی رہی۔ شاید کئی مہینوں کے بعد اس طرف کے سپاہیوں کو پہلی دفعہ اس طرح بےفکر ہو کر سونا نصیب ہوا تھا جب صبح اذاں کی آواز نے ان کو جگایا تو آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور جو چیز سب سے پہلے ان کی نظر کے آگے تھی وہ گولکنڈہ کا وہی برج تھا جس کے فتح کرنے میں انھیں ایک رات دن مصروف پیکار رہنا پڑا تھا اور بہت کچھ جانی اور مالی نقصان کے بعد اس کو منہدم کیا تھا۔ لیکن اب دیکھتے کیا ہیں ویسا ہی ایک برج اپنی سابقہ عظیم الشان کمانوں بلند ستونوں، وسیع محرابوں اور سر بفلک میناروں کے ساتھ اسی مقام پر موجود ہے۔

ہر شخص یہی سمجھ رہا تھا کہ کیا میں ابھی نیند میں ہوں، اور گزشتہ واقعات کا خواب دیکھ رہا ہوں لیکن یہ بے حسی کا عالم کب تک باقی رہ سکتا؟ آخر جب حیرت کے بادل

رفتہ رفتہ چھٹ گئے تو لگے اس برج کو گھورنے۔ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ کیا گولکنڈہ جنو اور دیوؤں کی بستی ہے جو جادو کے زور سے منہدمہ برج نئے سرسے کھڑا کر دیا گیا ہے؟ غریب سپاہی حیران تھے۔ اُن کے دل اس خیال سے لرزنے لگے کہ آج پھر اُسی برج کو منہدم کرنا ہے جس سے کل سابقہ پڑا تھا اور نہ معلوم یہ سلسلہ کب تک قائم رہے کیا ایک ہی برج کے سر کرنے میں سارے مغل گلند از ختم ہو جائیں گے؟

مورچہ والوں کا یہ استعجاب نہ معلوم کب تک رہتا اگر شاہی خیموں کی طرف سے فتح و نصرت کے شادیانوں کی آوازیں سنائی نہ دیتیں۔ ادھر فتح کی توپیں سر ہونے لگیں اور ادھر شاہی نقیب گھوڑا دوڑاتا ہوا پہنچا کہ قلعہ کی مشرق رویہ کھڑکی کھل گئی ہے اور پیر و مرشد کا حکم ہے کہ فوج اسی طرف سے لڑتے بھڑتے قلعہ میں داخل ہو جائے۔

دوپہر کا وقت ہے مغل فوجیں ایک قطب شاہی سپہ سالار کی غداری سے فائدہ اٹھا کر گولکنڈہ میں داخل ہو رہی ہیں اور ایک ایک فصیل پر اپنا قبضہ جما رہی ہیں۔ کل دن بھر مصروف پیکار رہ کر برج کو منہدم کرنے اور آج صبح اس کو صحیح و سالم دیکھنے والے مغل سپاہیوں نے قلعہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہی کیا کہ اس عجوبۂ روزگار برج کی طرف لپکے۔ جب وہاں پہنچے تو یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سارا برج راتوں رات کاغذ، لکڑی اور ٹاٹ سے مصنوعی بنایا گیا ہے اور گولکنڈہ کے صناعوں اور نقاشوں نے ایک ہی رات میں اس خوبی سے یہ کام کیا ہے کہ نزدیک سے بھی اصل اور نقل میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اس کاغذی برج کی تمام مغل فوجوں میں دھوم مچ گئی اور عرصہ تک فاتح فوج کی ٹولیاں جوق در جوق دیکھنے کو آتی جاتی رہیں۔

غیبی امداد

(۵)

"وہی موسیٰ ندی کی طغیانی! گولکنڈہ اور حیدرآباد کی تاریخ اور موسیٰ ندی کی طغیانی! ان دونوں کا اتصال گویا چولی دامن کا ساتھ ہے!! کیا اس ندی کا تذکرہ کئے بغیر حیدرآباد کا کوئی واقعہ آپ نہیں بیان کرسکتے؟"

"تو کیا آپ سمجھ رہے ہیں کہ میں گولکنڈہ اور حیدرآباد کے قصوں میں گنگا اور جمنا یا دجلہ و فرات کا ذکر کروں گا، معاف کیجئے۔ میں شاعروں کی طرح فرضی معشوقوں کا دلدادہ نہیں ہوں۔ میں حقیقت بیان کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے کام کے لئے مانگے تانگے کے مسالہ کی ضرورت نہیں۔"

رسالدار نے نیا قلعہ کے دروازہ میں قدم رکھتے ہوئے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔

"اچھا رسالدار صاحب یہ تو بتائیے کہ یہ سب قصے آپ تک کیونکر پہنچے؟"

"جس طرح آپ تک پہنچ رہے ہیں! ان باتوں کو چھوڑیئے اب یہ کہئے کہ پہلے ہتیان کے درخت اور ملا خیالی کی دو منزلہ مسجد کی طرف آپ کو لے چلوں یا شاہی بارہ دری اور اورنگ زیب کے اولین مورچہ کی طرف؟"

"آپ خود جہاں چاہیں۔ ہم ان چیزوں سے واقف ہوتے تو آپ کو رہنمائی کی زحمت ہی کیوں دیتے؟" اس جماعت میں سے ایک نے رسالدار کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"بات یہ ہے میرے والد قبلہ قلعہ کے ایک مشہور مرشد تھے۔ نواب افضل الدولہ بہادر کا عہد آپ جانتے ہیں بزرگوں اور اولیاء اللہ کا زمانہ تھا۔ سارے قلعے والے میرے والد کے گرویدہ تھے اور مردوں سے زیادہ عورتیں ان کی معتقد تھیں۔ میں ان کی وفات کے وقت بہت کم عمر تھا۔ مگر پھر بھی مجھے اس وقت کی چند باتیں یاد ہیں۔ میرے والد کے یہاں دور دور مقامات کے رہنے والے درویش اور قلعے کے بوڑھے بوڑھے معزز باشندے ہر روز جمع ہوتے تھے اور اپنے مقررہ ورد و وظائف سے فارغ ہو کر اُن کو قلعہ کی قدیم داستانیں سنایا کرتے تھے۔

"افسوس ہے کہ والد مرحوم کے انتقال کے بعد ان کے یہ احباب بھی یکے بعد دیگرے دنیا سے سب چل بسے۔ رہے نام اللہ کا!" بوڑھے رسالدار نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا

ابھی سلسلۂ کلام جاری تھا کہ یہ جماعت بارہ دری کے حدود میں داخل ہو چکی تھی اور ہم سب اس وسیع چبوترے پر پہنچ چکے تھے جس کے اطراف غلام گردش کی پست دیوار بنی ہوئی ہے اور جس کے ایک جانب وسیع تالاب ہے اور دوسری جانب بڑے بڑے حوض پہلو بہ پہلو دور دور تک بنے ہوئے ہیں۔ اس پر لطف منظر سے متاثر ہو کر ایک صاحب نے رسالدار کو جو اپنی خیالی دنیا میں گھوم رہے تھے، یہ کہہ کر چونکا دیا۔ "غالباً ان شاندار حوضوں کی تاریخ بھی آپ کو معلوم ہو گی؟"

"تاریخ؟ تاریخ کسی مدرسہ کے استاد سے پوچھئے۔ مگر وہ یہ نہ بتا سکیں گے کہ اس چبوترے کے نیچے جہاں آپ کھڑے ہیں ایک اچھا خاصا محل بھی ہے ہم اس کی چھت پر چل رہے ہیں۔ یہ دراصل تالاب کا کٹہ تھا۔ لیکن گولکنڈہ کے خوش سلیقہ بادشاہوں نے کٹہ سے چھپاں ایک عالیشان محل بنا دیا اور محل کے سامنے کئی فرلانگ

تک مسلسل حوض ہی حوض ہیں۔ تالاب کا پانی محل کے نیچے سے سامنے کے اس بڑے حوض میں آتا ہے پھر اس حوض سے دوسرے لانبے حوض میں چادر کی شکل میں گرتا ہے وہاں سے تیسرے چوڑے حوض میں جمع ہوتا ہے۔ پھر وہاں سے چوتھے لانبے حوض میں جو کسی قدر پست ہے بطور آبشار اچھل اچھل کر گرتا ہے۔ اس طرح ان چار حوضوں کو لبالب کرتا ہوا اس تالاب کا پانی آخر کار اس عظیم الشان پانچویں حوض میں پہنچ جاتا ہے جس کے بیچوں بیچ وہ دیکھئے ایک مصنوعی جزیرہ نظر آتا ہے۔ جب ان سب حوضوں کے فوارے اچھلتے ہوں گے اور آبشار سے پانی کی چادریں گرتی ہوں گی تو اس جزیرہ سے بہتر فرحت کا مقام اور کوئی نہیں ہو سکتا ...."

"ہاں رسالدار صاحب چھار کا قصہ تو ناتمام ہی رہ گیا! اس کو قلعہ کی حفاظت سے کیا تعلق تھا؟" ایک صاحب نے بات کاٹ کر کہا۔

"آپ حضرات ان تعلقات کو کیا جانیں؟ تو اس تفرج گاہ سے زیادہ آپ کو چھار سے دلچسپی ہے خیر لیجئے وہی قصہ سن لیجئے"

خان صاحب خود تو چبوترے پر ایک کونے میں بیٹھ گئے اور اپنے ہمراہیوں کو چبوترے کے منڈیر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور جب سب بیٹھ چکے تو کہا۔

واقعہ یہ ہے کہ مغلوں کو محاصرہ کئے ہوئے عرصہ گزر چکا تھا۔ وہ حیران تھے کہ اتنا سامان رسد قلعہ میں کہاں سے آ گیا؟ ان کو یقین تھا کہ چند روز میں اہل قلعہ بھوک پیاس کی شدت سے تنگ آ کر دروازے کھول دیں گے وہ اس حقیقت کو نہ سمجھ سکے کہ قطب شاہیوں کی ہمت اور قوتِ برداشت دکن میں ضرب المثل ہے اور انھوں نے یہ ٹھان لی تھی کہ دشمنوں کے پے در پے حملوں کے باوجود بھی

قطب از جا نمی جنبدؔ کی مصداق بنے رہیں۔

مغل فوجیں قلعہ فتح کرنے کے لئے ہر طرح کوششیں کر چکی تھیں۔ خود بادشاہ اورنگ زیب حیران تھے کیونکہ انھیں اپنی تمام عمر میں ایسے سخت جان حریف سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ ان کا یہ شبہ یقین کے درجے تک پہنچ گیا تھا کہ اس قلعہ کا استحکام اور قلعہ والوں کی ہمت ظاہری اسباب سے زیادہ کسی نامعلوم باطنی قوت اور غیبی امداد کی تابع ہے۔ سرنگوں کے ذریعے سے فصیلوں کو منہدم کرنے کی تدبیروں کا الٹ جانا اور ان فصیلوں کے عوض مورچوں کا منہدم ہو جانا، راتوں میں سیڑھیوں اور کمندوں کے ذریعہ سے مغلوں کا فصیلوں پر چڑھنا لیکن قطب شاہی سپاہیوں کا آخر وقت پر ان کو گرا دینا، ایسے واقعات ہیں جن پر کسی بوڑھے سے بوڑھے مغل سپاہی کو اپنی عمر بھر میں کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔ ..... سابقہ پڑھنا تو کجا کسی نے سنا تک بھی نہ تھا کہ مغل اعظم کے اردوئے معلٰی کو کسی لڑائی میں ایسی ناکامیوں اور پریشانیوں سے سابقہ پڑا ہو۔ شہنشاہ اورنگ زیب اور ان کے سپہ سالاروں نے اہل قلعہ کو طرح طرح کے لالچ بھی دلائے اور قطب شاہی سپہ سالاروں سے آخر وقت تک خوشامدانہ مراسلت بھی کرتے رہے۔ تاکہ اورنگ زیبی لشکر کے لئے راستہ مل جائے یا کوئی کامیاب صورت پیدا ہو جائے۔ میر جملہ کی مثال پیش کی گئی اور شاہانہ نوازشوں اور سرفرازیوں کی چاٹ بتلائی گئی۔ لیکن ہر سپہ سالار کی طرف سے یہی جواب ملتا رہا کہ :-

"کیا میر جملہ کی غداری ہمارے لئے کم موجب ندامت ہے! کہ ہم بھی اسی کے نقش قدم پر چل کر ہمیشہ کے لئے بے ایمانی اور نمک حرامی

کے الزام سے اپنا منہ سیاہ کریں۔"

اسی طرح کی اور اور کوششیں جاری تھیں کہ ایک رات موسیٰ ندی میں یکایک طغیانی آگئی۔ وہی موسیٰ ندی اور وہی طغیانی جس کے نام سے آپ صاحبین بیزار معلوم ہوتے ہیں مگر کیا کیا جائے اس کے نام یا اس کے ذکر کے بغیر گولکنڈہ یا حیدرآباد کا کوئی واقعہ ختم ہی نہیں ہو سکتا! چند روز سے ایسی بارش ہو رہی تھی اور اس زور کی آندھی آرہی تھی کہ محاصرے کی فوج منتشر اور مورچے منہدم ہوگئے تمام شاہی خیمے اکھڑ گئے ندی کے آباد کنارے دیران ہوگئے، اور اس طوفان باد و باراں میں ہزاروں سپاہی سیلاب میں گھر کر نذرِ اجل ہوگئے مغل فوج کی یہ تباہی اہلِ قلعہ کے لئے جشنِ مسرت کا پیغام تھی ادھر مغلوں کے رسد خانوں میں مورچوں اور ہزاروں مغل سپاہیوں پر طغیانی کی بلا نازل تھی اور ادھر قلعہ والوں نے جشن چراغاں منایا آبادی کی نشیبی فصیلوں سے لے کر بالا حصار کی بلند ترین چوٹیوں تک رنگ برنگ کے چراغ جگمگا رہے تھے۔ لیکن یہ بات سلطان ابوالحسن کو ناگوار گزری انھوں نے کہا "اگر ہماری فوج سے مقابلہ کرکے مغل سپاہی ہلاک ہوتے تو مسرت کا موقع تھا لیکن ان کی اس طرح کی تباہی پر مسرت کا اظہار بہادروں کے شایانِ شان نہیں"

تانا شاہ نے صبح ہوتے ہوتے ایک ہزار راس بیلوں پر غلہ کے بورے بار کرا کے اپنے ملازمین کے ہمراہ مغل فوجوں میں روانہ کئے۔ جب یہ بیلوں کا قافلہ قلعہ سے باہر نکلنے لگا تو قطب شاہی اور اورنگ زیبی دونوں فوجیں حیران تھیں۔ قطب شاہی فوج کو شکایت تھی کہ یہ ہمدردی کا کونسا موقع ہے ہمارے ظل اللہ کو میدانِ جنگ میں بھی دشمنوں کے ساتھ ہمدردی کی سوجھتی ہے حالانکہ مخالفین "اَلحَربُ خُدعَۃٌ" کا"

سے برابر فائدہ اڑ رہے ہیں۔ اور ہم ہیں کہ اس وقت ہمیں اچانک حملہ کرنے کی بھی اجازت نہیں ملتی ؟ ۔

غرض کئی دن تک آندھی کے گرد وغبار اور سیاہ بادلوں کے گھٹا ٹوپ ہجوم سے مغل فوجوں کے خیمے ظلمت کدہ بن گئے۔ اورنگ زیب حسب معمول اس ظلمات میں بھی گشت اور فوجی معائنے کے لئے نکلتے تھے۔ ایک رات انھوں نے دیکھا کہ آندھی کی شدّت کے باوجود ایک مقام پر چراغ کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی نظر آرہی ہے کچھ فاصلے سے معلوم ہوا کہ مغل فوج کے دو سپاہی دنیا ومافیہا سے بے خبر قرآن شریف کی تلاوت میں مصروف ہیں اور ان کے چراغ کو ہوا کے سخت سے سخت تھپیڑے بھی گل نہیں کر سکتے۔ بادشاہ نے قریب پہنچ کر کہا کہ :۔

"آپ! ایسے بزرگ فوج میں موجود ہوں اور فتحیابی میں اس قدر تاخیر! تعجب کا مقام ہے!!"

ان بزرگوں نے نظر اٹھا دیکھا کہ خود بادشاہ سلامت کھڑے ہیں ان دونوں نے یک زباں ہوکر کہا :۔ "ہم کو اس معاملے سے کیا تعلق ؟"

"تعلق کیوں نہیں ؟ آپ ہماری فوج کے سپاہی ہیں اور جانتے ہیں کہ آپ کے ساتھی کئی مہینوں سے پریشان ہیں۔ آپ کو ضرور اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ کیا آپ لشکرِ اسلام کی اس سے زیادہ تباہ حالی کے منتظر ہیں"۔

"اس لڑائی کو مذہب سے کیا واسطہ جہاں فریقین اہل اسلام ہوں ؟"

اورنگ زیب کو ان بزرگوں سے بہت دیر تک درشت لہجہ میں گفتگو کرنی پڑی آخر کار جب انھوں نے دیکھا کہ تلاوتِ قرآن پاک میں خلل ہو رہا ہے تو یوں زبان کھولی :۔ "ایک ٹھیکری اٹھا لائیے۔"

بادشاہ بڑی تلاش کے بعد ایک ٹھیکری اُٹھا لائے۔ اس پر انھوں نے کوئلہ سے کچھ لکھا اور بادشاہ کو دے کر کہا کہ :۔

"لنگر حوض کے کنارے ایک چمار رہتا ہے یہ اس کو دیجئے اور جواب لائیے"۔

بادشاہ وہ ٹھیکری لے کر قلعہ والوں کی گولیوں سے بچتے ہوئے چمار تک پہنچ گئے۔ اس نے وہ ٹھیکری لے لی اور غصے کی نگاہوں سے بادشاہ کو گھورنا شروع کیا اور اسی ٹھیکری کی دوسری جانب کچھ لکیریں کھینچ کر بادشاہ سے کہا :۔

"واپس لے جاؤ"

بادشاہ حیران ہیں کہ یہ معاملہ کیا ہے ، کرتے کیا؟ اس راوٹی میں واپس آئے جہاں وہ دونوں بزرگ مصروف تلاوت تھے بادشاہ نے ٹھیکری ان کے حوالے کردی پڑھ کر انھوں نے تھوڑی دیر تامل کیا اور پھر بادشاہ سے یوں مخاطب ہوئے۔

" قلعہ کا فتح ہونا مشکل ہے ، . . . .

بڑی بڑی ہستیاں سلطان ابوالحسن کی طرف دار ہیں "

بادشاہ نے دبی مگر بھری ہوئی آواز سے کہا :۔

"کیا میری مدد پر کوئی بزرگ ہستی نہیں ہے ؟ کیا مجھ کو آپ دونوں کی ذات سے بھی یہ توقع نہ رکھنی چاہیئے ؟"

شہنشاہ اورنگ زیب جیسی بلند ہستی سے بحث مباحثہ میں جیت جانا آسان کام نہ تھا۔ انھوں نے ان بزرگوں کو مجبور کر دیا کہ ایک دفعہ اور کوشش کریں انھوں نے مجبور ہو کر پھر وہی ٹھیکری منگائی بہت دیر تک سوچتے رہے اور رک رک کر اس پر کچھ لکھ دیا۔

رات ختم ہو رہی تھی، گولکنڈہ کے برجوں اور فصیلوں پر آخری شب کے چراغ ٹمٹما رہے تھے، مغل فوجوں کی چھاؤنیوں کی سمت سے صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے، اورنگ زیب ٹھیکری لئے ہوئے دوبارہ لنگر حوض پر پہنچے۔ چمار دیر تک ٹھیکری کو گھورتا رہا۔ اس کی دماغی کشمکش ختم ہوتی نظر نہیں آرہی تھی۔ بادشاہ کے صبر کا پیمانہ چھلکنے لگا، انھوں نے طویل انتظار کے بعد کہا۔

"صبح کی نماز کا وقت قریب آرہا ہے مجھے قبل طلوعِ آفتاب اپنے مورچوں میں واپس ہونا ہے آپ جلد کچھ کہئیے"

چمار جذبے سے لرزہ براندام تھا اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس کے ہاتھ قابو میں نہ تھے ٹھیکری اس کے ہاتھ سے گر گر پڑتی تھی۔ اس نے اپنے جسم پر سے بکھرے ہوئے چیتھڑے اور پھٹے پرانے جوتے ہٹا دیئے۔ اور دامن جھٹک کر کھڑا ہوا۔ اس کی زبان سے نکلا:۔

"مشیت ایزدی یہی تھی۔ میں پچاس سال سے اس قلعہ کے دامن میں گوشہ نشین تھا۔ آخر جیتے جی یہاں سے اٹھنا پڑا۔ جاؤ ان سے کہدو کہ وہ چلا گیا"

اورنگ زیب جب اپنی فوج میں داخل ہوئے تو جگہ جگہ اذان ہو رہی تھی انھوں نے ان بزرگوں کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ ان دونوں نے فتح کی مبارکباد دی اور کہا کہ :۔

"آج رات ہماری فوجیں قلعہ میں داخل ہو جائیں گی۔ اس کی حفاظت اور غیبی امداد کرنے والا وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ چمار نہ تھا بلکہ اس

ملک کے قطب تھے اور پچاس سال سے اس سلطنت کے
معاون و محافظ"

دوسرے دن، رات میں مغل فوجیں قلعہ میں داخل ہوگئیں یہ اور بات
ہے کہ تاریخ لکھنے والوں نے فتح کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ ایک غدّار
سپہ سالار نے قلعہ کی ایک کھڑکی کھول دی تھی اسی لئے مغلوں کو
فتح نصیب ہوئی"

ان واقعات کو بوڑھے رسالدار نے اس دلکش اور موثر پیرائے میں
بیان کیا کہ سننے والوں کو محسوس تک نہ ہوسکا کہ غروب آفتاب کا وقت قریب
آچکا ہے اور ان کو اندھیرا ہونے سے قبل ہی نئے قلعے کے ویرانے سے باہر
نکل جانا چاہئے۔

آخری سرفروش

"اب ہماری باری ہے، چلو۔ دوڑو۔ یہ موقع ہاتھ سے جانے نہ پائے"

حبشی محلہ میں ایک گڑبڑ مچی ہوئی ہے۔ ہر گھر سے حبشی عورتیں اور بچے بالاحصار کے صدر دروازے کی طرف بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ عورتوں نے اپنے گھنگرالے بالوں کا چٹا بنا کر اُن پر اپنی اوڑھنیاں باندھ لیں اور دامنوں سے کمریں کس لی ہیں۔ بچے تیر و کمان ہاتھوں میں لئے ہوئے اپنی ماؤں سے ذرا آگے چل رہے ہیں۔ بعض عورتوں کی پیٹھ پر شیر خوار بچے بندھے ہوئے ہیں۔ سب فوجی گیت گاتی ہوئی دوڑ رہی ہیں۔ بعض اپنے بچوں کو سمجھا رہی ہیں کہ:-

"بابو ڈر کر بھاگ نہ جانا بڑی آزمائش کا وقت ہے۔ اپنے مالک پر قربان ہونے کا یہی موقع ہے .... دیکھو اپنے ابّا کا ساتھ نہ چھوڑنا"

ایک بچہ ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے۔ ماں ایک طمانچہ مار کر اٹھاتی اور ڈانٹتی ہے:-

"ڈرپوک ابھی سے پریشان ہوگیا! اسی لئے تجھے پالا تھا؟"

(۲)

پانچسو حبشی مردوں اور عورتوں کا یہ ہجوم بالاحصار کے صدر دروازے پر پہنچ گیا۔ یہاں معمولی اوقات میں صرف پچاس حبشیوں کا پہرہ رہتا تھا اور ہر روز ان کی بدلی ہوتی اس طرح ایک دن نوکری اور پانچ دن چھٹی۔ لیکن جب سے قلعہ کا محاصرہ شروع ہوا تھا حبشی خود بخود دگنی تعداد میں اس دروازے پر موجود

رہنے لگے تھے۔ اور آج صبح سے جو یہ خبر پھیل رہی تھی کہ مغل فوجیں قلعہ میں داخل ہو گئی ہیں، جملہ حبشی سپاہی اپنی نشست گاہ پر جمع ہو گئے بارہ بجے جب ان کے بچے حسب معمول کھانا لے آئے تو انھوں نے ان کو پیار کیا، سر پر ہاتھ پھیرا۔ بعضوں نے اپنے جگر گوشوں کو گلے سے چمٹا لیا، اور ایک آدھ کی آنکھوں سے آنسو بھی ٹپک پڑے۔ ان معصوم بچوں اور ان کی بھولی بھالی ماؤں کو معاملہ کی نزاکت کا علم نہیں تھا۔ بادشاہ نے ان کے قیام کے لئے عین بالا حصار کے جنوبی دامن میں ایسی جگہ مکانات بنا دیے تھے۔ جو قلعہ کی شمال مشرقی رویہ آبادی اور بازاروں سے بالکل علیحدہ تھے۔ انھیں یہ علم نہیں ہونے پایا تھا کہ ان کا مہربان آقا ان سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونے کو ہے۔ اور یہ کہ آج کی رات کے ساتھ گولکنڈہ کی زندگی بھی ختم ہونے والی ہے۔

بچے حیران تھے۔ ان کو اپنے اباؤں کی یہ مضطربانہ حرکتیں سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔ ان میں سے بعضوں نے ہمت کر کے پوچھ بھی لیا کہ :-

"ابا! آقا تو سلامت ہیں نا؟ کیا دشمن ابھی قلعہ کے اطراف باقی ہیں؟ ہمیں گنبدوں اور بارہ دری کی سیر کو کب لے چلو گے؟ آقا نے تو ہم کو خاص طور پر اجازت دی تھی اور وہاں جاتے وقت پہننے کے لئے بھاری کپڑے بھی بھجوائے تھے۔ کتنے دن سے ہم ان کو نہیں پہن سکے؟" بچوں کی ان معصوم باتوں نے بعض حبشیوں کو بہت متاثر کیا۔ وہ رونے لگے۔ انھوں نے کہا :-

"تم اپنی ماؤں سے ہمارا آخری سلام کہنا اور تاکید کرنا کہ اگر ہم واپس نہ آئیں تو کچھ فکر نہ کریں ہم کو کسی نہ کسی روز اپنے پیارے آقا کے کام آنا ہی تھا

آخر ہماری زندگیاں کب تک بے مصرف گزرتیں؟ تم اپنے چھوٹے آقا شہزادہ خدابندہ سے ویسی ہی محبت کرنا جیسا ہم اپنے آقا تانا شاہ سے کرتے ہیں۔" جو بچے بڑی عمر کے اور ذرا سمجھ دار تھے وہ سمجھ گئے اور اپنی ماؤں کے یہاں دوڑے ان وفادار سپاہیوں کی جاں نثار بیویوں نے جب سنا کہ ہمارے آقا اپنے آقا پر سے قربان ہونے والے ہیں تو انھوں نے اپنے مکانوں کو خیرباد کہا۔ وہ جن کے لئے زندہ تھیں ان کے بغیر زندہ رہنا کیونکر گوارا کرسکتی تھیں۔ وہ بجلی کی طرح اپنے بچوں کے ساتھ شوہروں کے آخری دیدار اور ہوسکے تو ان پر سے قربان ہونے کے لئے بے تابانہ دوڑیں۔

——— (۳) ———

حبشی عورتیں اور بچے دروازے پر پہنچنے ہی پائے تھے کہ مغل فوج سامنے نمودار ہوئی۔ حبشی سردار نے اپنے سپاہیوں کو نشانہ باندھنے کا حکم دیا۔ چشم زدن میں مغل فوجوں کی صف اول کی قطار زمیں بوس ہوگئی یہ بات مغل فاتحین کے ذہن میں نہ آسکی تھی کہ انھیں ابھی ایک اور مرحلہ طے کرنا ہے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ قلعہ کی سنگین فصیلوں کے فتح کرنے کے بعد اب کیا رکاوٹ حائل ہوسکتی ہے۔ وہ فتح کی خوشی میں گاتے بجاتے چلے آ رہے تھے۔ انھیں کیا معلوم کہ پورے قلعہ پر مغلوں کا قبضہ ہوجانے کے بعد بھی کوئی ایسا بے وقوف ہوگا جو فاتحین کی مزاحمت کرے گا۔ حبشیوں کو فاتحین اور مفتوحین سے کیا علاقہ۔ وہ تو اپنا فرض ادا کرنا چاہتے تھے۔ ان کا کام تھا کہ غیر شخص کو بادشاہ کی اجازت کے بغیر دروازے سے گزرنے نہ دیں۔ مغل فوج نے کوئی اجازت تو نہیں لی تھی اور نہ ان حبشیوں کو بادشاہ کے یہاں سے حکم ملا تھا کہ ان کو اندر آنے دیں۔ اس وقت ان کے

لئے یہی ایک صورت باقی تھی جس پر وہ عمل پیرا ہو گئے!

جب پہلی صفیں گر گئیں تو مغل پیچھے ہٹے۔ ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور حبشی سردار کو آواز دی۔

"کیا تم ابھی خوابِ خرگوش میں ہو؟ سارے قلعہ پہ ہمارا قبضہ ہو چکا ہے۔ ہم اب بالاحصار پر قبضہ کرنے آئے ہیں۔"

حبشی سردار نے جواب دیا "کیا تمہارے یہاں ہمارے ظلِ اللہ کا اجازت نامہ ہے کہ ہم تمھیں اندر آنے دیں؟"

مغل نے کہا۔ "تم لوگ ہوش میں بھی ہو یا نہیں؟ اب قلعہ پر حضرت اورنگ زیب بادشاہ غازی کی حکومت ہے۔"

حبشی نے بات کاٹ کر کہا۔ "خدانخواستہ! ہم جب تک زندہ ہیں یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔"

مغل نے سمجھایا۔ "تم لوگ ملازم پیشہ ہو۔ ملازم کا کام ہے جو تنخواہ دے اس کی نوکری کرے۔ اب تمھارا بادشاہ ہماری قید میں ہوگا تم ہم کو راستہ دیدو ہم سفارش کر کے مغل فوج میں تم کو ملازمت دلا دیں گے۔"

"کیا کلمۂ کفر بک رہا ہے!" ایک حبشی نے جھلا کر کہا اور فوراً اس مغل پر اپنی بندوق خالی کر دی اب کیا تھا مغلوں اور حبشیوں میں معرکہ آرائی دست بدست شروع ہو گئی۔ ایک طرف مغلوں کے گھوڑے اور جرّار سپاہی تھے۔ دوسری طرف پیدل حبشی اور اُن کی غریب بیویاں اور معصوم بچے!!

—— (۴) ——

جنھیں اپنی جان کی پروا نہیں ہوتی دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اُنھیں ذلیل نہیں بنا سکتی۔ حبشیوں نے ایسا مقابلہ کیا کہ سیکڑوں مغل سپاہی تہ تیغ ہو گئے۔ اس غیر معمولی

معرکہ کی خبر بالا حصار کے اندر تاناشاہ تک پہنچ گئی۔ انھوں نے حبشیوں کو کہلا بھیجا کہ :-

"مغل میری رضامندی سے آرہے ہیں۔ تم مفت کیوں اپنی جانیں کھوتے ہو"۔

جب یہ خبر حبشیوں کو پہنچی تو پیام لانے والے کو انھوں نے ڈانٹا۔

"غدار کہیں کا! آقا نے ہرگز ایسا نہیں کہا۔ تم سب مغلوں سے مل گئے ہو

جب تک بادشاہ خود بنفس نفیس ہمیں حکم نہ دیں گے ہمیں یقین نہ آئے گا"

یہ سن کر تاناشاہ حبشیوں کو سمجھانے کے لئے بالا حصار کے جھروکہ میں برآمد ہوئے مگر وقت گزر چکا تھا۔ وقت اور سیلاب کسی کے روکنے سے نہیں رکتا۔ جب انھوں نے دروازے پر نظر ڈالی تو تمام میدان سیاہ و سرخ رنگ کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ جاں نثاروں کے خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور جگہ جگہ سیاہ فام بچوں اور عورتوں کے اعضاء مچھلیوں کی طرح تڑپتے نظر آرہے تھے۔ بادشاہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے۔ اس قلندر صفت بادشاہ کی آنکھوں کے یہ سب سے پہلے اور سب سے آخری آنسو تھے۔ مغل سپاہیوں نے ان جاں نثاروں کی لاشوں سے اس کنویں کو بھر دیا۔ جو دروازے کے سامنے تھا اور اس طرح بالا حصار تک پہنچنے کا راستہ نکال لیا۔

ان آخری سرفروشوں کی یاد اور ان کی خاک و خون میں آلودہ سسکتی ہوئی لاشوں کا آخری منظر تاناشاہ کی آنکھوں میں چودہ سال تک پھرتا رہا۔ انہی کی یاد میں وہ اپنے قید خانے کی سختیوں اور مصیبتوں کو بھلایا کرتے تھے اور جب اُن کا وقتِ آخر آپہنچا تو انھوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کی روح نہایت اطمینان اور آسانی سے نکل رہی ہے۔ حالانکہ ان کے سرفروش حبشی جاں نثاروں نے ان کے لئے تڑپ تڑپ کر جان دی تھی۔

خاصے کا وقت

سلطان ابوالحسن قطب شاہ کے دربار میں مغل شاہزادہ اور وزیراعظم کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ یہ شاہی دربار دنیا کی تاریخ میں ایک انوکھی حیثیت رکھتا ہے چشم زمانہ نے شاید ہی اس نوعیت کا کوئی دربار دیکھا ہو پوری سلطنت پر دشمنوں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ قطب شاہیوں کی رہی سہی امیدیں قلعہ گولکنڈہ سے وابستہ تھیں اس میں بھی آج صبح مغل فوجیں داخل ہوگئیں۔ دوپہر کے وقت سے کچھ قبل بالاحصار پر بھی تسلط ہو گیا۔ اب صرف شاہی محلات اور دولت خانۂ عالی باقی رہ گئے ہیں۔ ان پر بھی کوئی دم میں مغلوں کا قبضہ ہونے والا ہے۔ گویا قطب شاہی سلطنت عالم نزع میں ہے اور جس طرح انسان مرنے کے قبل ایک سنبھالا لیتا ہے اور چراغ گل ہونے سے پہلے ایک آخری جھلک دکھاجاتا ہے بالکل اسی طرح اس عظیم الشان سلطنت کے خاتمے سے قبل اس کا یہ دربار اس کے دیرینہ جاہ وجلال کا آخری نمونہ پیش کر رہا ہے۔

فانی انسانوں کے صبر واستقلال کی آزمائش کا اس سے زیادہ کٹھن وقت اور کیا ہو سکتا ہے سب اہل دربار جانتے ہیں کہ تھوڑی دیر میں یہ بارونق محفل ہمیشہ کے لئے اجڑنے والی ہے اور اس کی تباہی کے بعد معلوم نہیں اس کے آراستہ کرنے والوں اور خود ان میں سے ہر ایک کا کیا حشر ہوگا خود بادشاہ سلامت سمجھ چکے ہیں کہ گولکنڈہ کے اس روح پرور ماحول، عالیشان ایوان، مخملیں فرش زنگارنگ پردوں، معمور خزانوں، سجے سجائے محلات، رشک فردوس بارہ دریوں

عمر بھر کے ساتھیوں، پُرخلوص دوستوں اور وفاشعار خدمت گزاروں سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونے کا وقت آگیا ہے۔ لیکن ان کے اور اہل دربار کے بُشرے یا کسی حرکت سے آنے والے انقلاب کا پتہ نہیں چلتا ایسا نظر آتا ہے کہ شاید یہ لوگ اپنے قریبی انجام سے ناواقف ہیں۔ ان کی فوق فطری ہمت۔ ان کا بلند پایہ وقار وتحمل اور ان کا شیوہ تسلیم ورضا دنیا میں ہمیشہ آفت زدہ اور غمدیدہ انسانوں کے لئے درس عبرت بنا رہے گا۔ تاناشاہ اور ان کے آخری رفیقوں نے اپنی اس امیری میں قلندری کی ایک ایسی مثال پیش کردی ہے کہ دنیا کی تاریخ شاید ہی اس کا جواب دکھا سکے۔

—(۲)—

دولت خانۂ عالی کی ہر چیز میں تزک واحتشام اور خاص ذوق شائستگی جھلک رہا تھا جو ہمیشہ شاہی مہمانوں کے ورود کے مواقع پر ظاہر ہوا کرتا تھا۔ بالا حصار کے دروازے سے ایوان خاص تک سرخ مخملیں فرش بچھا ہوا تھا۔ نیلی نیلی وردیاں پہنے ہوئے چوبدار نقیب اور خدام حسب معمول اپنی اپنی جگہ کھڑے تھے۔ امراء ومقربان خاص اپنی اپنی نشست پر دست بستہ حاضر تھے۔

جب مغل شاہزادہ اور امراء کی سواری دروازے پر پہنچی قطب شاہی امیروں نے سیڑھیوں تک بڑھ کر استقبال کیا چوکی داروں اور بھالداروں نے شاہی سلامی دی۔ چوبداروں اور نقیبوں کی آداب آموز آوازیں بلند ہوئیں تاناشاہ نے معمول کے مطابق ایوان خاص کی سیڑھیوں تک شہزادہ کا استقبال اور اس سے معانقہ کیا اور تخت گاہ تک لیجا کر اپنے ساتھ گولکنڈہ کے نیلگوں چتر شاہی کے نیچے بٹھایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ قطب شاہیوں کے اس خاص شاہی چتر کے نیچے ایک دوسرے

خاندان کا شہزادہ بیٹھ رہا تھا۔ جب تاناشاہ اور مغل شہزادہ دونوں بیٹھ چکے تو قاعدہ کے مطابق مزاج پرسی کی گئی آخر میں تاناشاہ نے کہا:-

"آپ سب کو بڑی زحمت اُٹھانی پڑی۔ دکن کی آب و ہوا کو آپ نے کیسا پایا؟"

(۲۷)

شاہزادہ اور اس کے ساتھی مغل امراء و سپہ سالار اس دربار کی آراستگی و اطمینان پر حیران تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ بلکہ وہ یہ تک بھول گئے تھے کہ ہم یہاں اس بادشاہ کو قید کرنے آئے ہیں لیکن اس عالم خود فراموشی کو شہنشاہ اورنگ زیب کے احکام کی یاد نے بہت جلد دور کر دیا۔ شہزادہ اصل موضوع کی طرف پلٹنے والا ہی تھا کہ باورچی خانۂ شاہی کا میر بخشی معمول کے مطابق زرق برق لباس پہنے ہوئے خادموں کے جلوس کے ساتھ نیچی نگاہیں کئے ہوئے دست بستہ تخت گاہ کی طرف بڑھا۔ اور عرض کیا "حضور بندگانِ اقدس خاصہ تیار ہے"

تاناشاہ نے شہزادہ اور وزیرِ اعظم کی طرف تبسمانہ نظر ڈالی اور کہا:-

"اگر شہزادہ اور دیگر اصحاب بھی اس وقت میرے ساتھ خاصہ تناول فرمائیں تو موجب خوشنودی ہوگا"

مغل شہزادہ اور امراء ایک دوسرے کی صورتیں دیکھنے لگتے ہیں۔ انھیں کوئی جواب سجھائی نہیں دیتا۔ اس عالمِ سکوت کو دیکھ کر تاناشاہ نے مسکراتے ہوئے کہا

"مجھے افسوس ہے کہ آپ صاحبین کو اس سے قبل اس کی زحمت دینے کا موقع نہیں ملا تھا ورنہ شاید اس وقت بھی آپ کے شایانِ شان انتظام ہوا ہے"

تانا شاہ جیسی شخصیت کی گفتگو اور کسی کو انکار کی جرأت ہو! سبھوں نے "بسر و چشم کہا" نوجوان شہزادہ سے ضبط نہ ہو سکا اس نے آہستہ وزیر سے کہا:

"یہ خاصے کا کونسا وقت ہے"

بادشاہ نے شہزادہ کا جملہ سن لیا ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

"میں اسی وقت کھاتا ہوں۔ میرے خاصے کا یہی وقت ہے۔"

―――(۴)―――

تانا شاہ اور ان کے معزز مہمان دربار سے اٹھ کر طعام گاہ کی طرف جا رہے تھے کہ بادشاہ کے ایک مقرب خاص نے جو باہر سے تیز تیز آ رہا تھا سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر مودبانہ عرض کیا کہ:۔

"حضور سپہ سالار عبدالرزاق لاری بیہوشی کے عالم میں زخموں میں چور ایک درخت کے نیچے بے حس پڑے ہوئے نظر آئے اور انھیں نیم جان دیکھ کر بالاحصار میں لایا اور نگینہ باغ میں رکھا گیا ہے ابھی ابھی ہوش آیا تو انھوں نے بادشاہ سلامت کی خیر و عافیت دریافت کی اور کہا ہے کہ اس سے بہتر موت کیا ہو سکتی تھی کہ آقا کے قدموں کے قریب جان نکل رہی ہے۔"

بادشاہ نے اپنے مہمانوں سے کہا:۔

"اگر اجازت ہو تو اس جاں نثار کو ایک نظر دیکھ لیں!"

مہمانوں نے کہا۔ "ہم بھی اس بہادر کو دیکھنے کے مشتاق تھے۔ ناگوار خاطر نہ ہو تو ساتھ چلیں گے۔"

(۵)

جب تاناشاہ اپنے وفادار سپہ سالار کے قریب پہنچے تو اس کے زخموں سے مسخ شدہ چہرے اور حالتِ کرب و بے چینی سے بیحد متاثر ہوئے۔ ان کی آواز سُن کر مجروح سپہ سالار نے اپنی پیشانی کا گوشت (جو آنکھوں پر لٹک رہا تھا) ہٹا کر بادشاہ کو دیکھا اور دبی آواز میں عرض کیا:-

"خدائے تعالیٰ حضور کی عمر و اقبال میں ترقی دے اور ہم جیسے سیکڑوں جاں نثار بندگانِ اقدس پر سے قربان ہو جائیں۔"

بادشاہ نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا:-

"یارِ عزیز! تم نے آج شیوۂ وفا کی لاج رکھ لی، ورنہ جب عرصے سے تمھاری خبر نہ ملی تو شبہ ہو چلا تھا کہ شاید عبدالرزاق بھی میر جملہ کے مقلدوں میں شامل ہو گئے اور ہم سے بیوفائی کر کے غنیم سے جا ملے مگر اب ہم کو اس شکست سے جو کچھ اثر ہوا تھا وہ، یہ دیکھ کر زائل ہو گیا کہ کم از کم تم نے آخر وقت تک منہ نہ موڑا۔ اگر تمھاری طرح اور ایک شخص ہماری فوج میں ہوتا تو آج ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔"

عبدالرزاق کی زبان سے نکلا:-

"سلطان ابوالحسن قطب شاہ جیسی ہستی سے بے وفائی کرنا میرے نزدیک کفر ہے۔ میری دلی تمنا تھی کہ ظل اللہ پر سے اپنی جان قربان کر کے میں بھی حضرت امام مظلوم ابی عبداللہ الحسین علیہ السلام کے ساتھی بہتّر شہدا میں داخل ہو جاؤں اور خدا کا شکر ہے کہ یہ دیرینہ آرزو پوری ہو رہی ہے۔ میں کبھی کا ختم ہو جاتا اگر باہر پڑا رہتا۔ یہ صرف بالاحصار

کی موج پیدور فضاء نگینہ باغ کا خیاں فزا ماحول اور قرب سلطانی کا اثر ہے جس کی وجہ سے اس تن بے جان میں جان آئی اور بندگان عالی کی قدمبوسی کا . . . . . ." عبدالرزاق پر پھر سے بے ہوشی طاری ہو گئی۔ بادشاہ نے اپنے مغل مہمانوں کی طرف پلٹ کر کہا:۔

"یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس وفادار سپہ سالار سے ہماری پہلی ملاقات بھی اسی باغ میں ہوئی تھی اور آج آخری ملاقات بھی یہیں ہو رہی ہے اس باغ میں ہم دونوں برسوں تک سلطنت کے انتظام اور مدافعت کے مشورے کرتے رہے ہیں۔ لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ یہیں ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے جدا بھی ہوں گے۔"

یہ کہہ کر بادشاہ نے اپنے طبیبان خاص کو حکم دیا کہ فوراً علاج اور زخموں کی مرہم پٹی شروع کر دیں اور صدر طبیب کی طرف پلٹ کر مسکراتے ہوئے کہا:۔

"ایسی وفادار اور ممتاز ہستی کی خدمت ہر طبیب کو نصیب نہیں ہو سکتی۔"

بادشاہ طبیبوں کو ہدایتیں دے رہے تھے کہ عبدالرزاق لاری کے خون آلود جسم میں پھر حرکت پیدا ہوئی۔ نیم جان سپہ سالار نے عرض کیا:۔

"حضور میرے لئے تشویش نہ کریں، مجھے بڑی ندامت ہے کہ خاتمے کے وقت حضور کو زحمت کرنی پڑی۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ بندگان اقدس یہاں تک تشریف لائیں۔ میری صرف یہ خواہش تھی کہ حضور کو اس امر کا علم ہو جائے کہ میر جملہ اور عبداللہ خاں کی طرح عبدالرزاق احسان فراموش ثابت نہیں ہوا۔ حضور خاصے پر تشریف لے جائیں۔ مہمانوں کو بھی زحمت

ہو رہی ہے "

تھوڑی دیر کے بعد جب بالاحصار پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا تو قلعہ گولکنڈہ کے مشہور آفاق ہیروں، بیش بہا جواہرات، نیلگوں شاہی علم، نادر اسلحہ اور دیگر عجوبۂ روزگار اشیاء کے ساتھ عبدالرزاق کو بھی ایک پالکی میں ڈال کر مغلِ اعظم کے خیمہ گاہ میں پہنچایا گیا۔ شہنشاہ اورنگ زیب غازی نے بھی گولکنڈہ کے اس وفادار سپہ سالار کے علاج کے لئے اپنے شاہی اطبا کو خاص طور پر احکام صادر کئے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس فاتح سلطان کی زبان سے بھی وہی الفاظ نکلے جو تھوڑی دیر پیشتر مفتوح بادشاہ کی زبان سے نکلے تھے۔ اورنگ زیب نے کہا۔

" اگر ابوالحسن قطب شاہ کے پاس عبدالرزاق جیسا اور ایک شخص ہوتا تو شاید ہی ہم گولکنڈہ فتح کر سکتے !! "

مٹی کی کلھیا



تاناشاہ بالاحصار کے صدر دروازے سے نکل رہے تھے۔ وہ اور مغل شہزادہ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے ان کے بشرے، چال ڈھال اور گفتگو سے کوئی شخص اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ وہ اس وقت مغلوں کے قیدی ہیں اور اپنے وطن اور پایہ تخت سے ہمیشہ کے لئے علٰحدہ ہو رہے ہیں۔ وہ اس بے پروا انداز میں اپنے محبوب گھوڑے پر سوار تھے گویا شکار کے لئے جا رہے ہیں یا اپنے مہمان شہزادہ کو تھوڑی دور تک چھوڑ آنا چاہتے ہیں۔

سوار ہونے سے قبل بادشاہ نے اپنے امراء کا آخری سلام لیا۔ لیکن اسی معمولی انداز میں، بادشاہ کا رعب وداب ایسا تھا کہ امرا بھی اپنے جذبات ضبط کئے ہوئے تھے۔ جب تک بادشاہ ان کی طرف متوجہ رہے ان کی زبان سے اف تک

نہ نکلا۔ لیکن ان کے متغیر چہرے بتا رہے تھے کہ ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک متلاطم سمندر پوشیدہ ہے۔ اتفاق کی بات تھی یا نہ معلوم جان بوجھ کر بادشاہ نے فصیلوں کے اوپر محل کے جھروکوں کی طرف نظر نہیں اٹھائی ورنہ وہ محل کی پردہ نشینوں کو پریشان حال دیکھ کر ضرور متاثر ہوتے۔ وہ سب دروازہ کی طرف ٹکٹکی باندھی ہوئی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ یہ روز بد دیکھنا نصیب ہو مگر سچ ہے ع جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا۔

آج قطب شاہی محلات کی پردہ نشین ماہ وشیں بالکل مجبور بھی نہیں تھیں انھوں نے اپنی قسمت کا آپ ہی فیصلہ کر لیا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی قوت اُن کی قسمت کا فیصلہ کرے۔ آج پہلی دفعہ وہ محسوس کر رہی تھیں کہ وہ مختار ہیں اور ناحق اب تک اپنے پر مجبوری کی تہمت لگا رہی تھیں۔ جب بادشاہ کا گھوڑا نظروں سے اوجھل ہو گیا اور دُنیا ان کے لئے تیرہ و تار ہو گئی تو انھوں نے اپنے فلک شگاف نالوں اور آہ و شیون سے بالاحصار اور محلات شاہی کو سر پر اٹھا لینا چاہا۔ لیکن اُنھوں نے سوچا کہ دم کے دم میں مغل سپاہی محل کے اندر گھس آئیں گے اور پھر نہ معلوم ہمارا کیا حشر ہو۔ انھوں نے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور ایک ساتھ اس عظیم الشان حوض نما باؤلی میں گرنے لگیں جو انہی جھروکوں کے پیچھے محل کے صحن میں اب تک موجود ہے۔

دوسرے روز علی الصباح مغل سپاہی خزانوں کی تلاش میں اس باؤلی کی طرف بھی پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ سیکڑوں عورتوں کی لاشیں پانی میں غرق ہیں جن میں بیسیوں نہایت نوعمر اور مہ جبین ہیں۔

—— (۲) ——

قلعہ کے دروازے سے نکلتے ہوئے تاناشاہ نے شہزادہ سے مسکرا کر کہا۔

"حیدرآباد کے اطراف واکناف کی پہاڑیوں کا منظر کیسا خوشنما معلوم ہوتا ہے! آپ نے کبھی ان کی سیر کی ہے؟"

اس وقت تک ان دونوں میں کافی خلا ملا پیدا ہو چکا تھا۔ شہزادہ نے جواب دیا:-

"اس کا بالکل موقع نہیں ملا۔ ہم برابر جنگ میں مشغول رہے۔ آپ کی فوجوں اور موسیٰ ندی کی طغیانیوں نے ہمیں رات دن مشکلات میں گھیرے رکھا۔ مجھے تو آپ کی طبیعت پر حیرت ہوتی ہے۔ کیا اس واقعہ کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا؟"

"اثر تو ہر انسان کو ہونا چاہئے" تاناشاہ نے سنجیدہ انداز میں کہا "لیکن اثر اثر میں فرق ہے۔ مجھے سلطنت اور حکومت کوئی ایسی عزیز نہیں تھی۔ شاید آپ جانتے ہوں گے کہ میں نے بادشاہت سے قبل چودہ سال تک قلندری کی ہے اور اپنے مرشد کی خدمت میں فقر و فاقہ کی جملہ منزلیں طے کرلی ہیں اس کے بعد یکایک مجھے شاہی محل میں پہنچا دیا گیا۔ میں اس وقت بھی مجبور تھا۔ مرشد کے حکم کی تعمیل لازمی تھی۔ اب میں شاہی محل سے نکالا جا رہا ہوں اس وقت بھی مجبور ہوں۔ اس عالم مجبوری میں شکوہ و شکایت اور رنج و الم کا کیا موقع؟ ہم نے مقدور بھر کوشش کرلی کہ قطب شاہیوں کی یہ امانت قطب شاہی نسل میں واپس کردیں مگر اس میں ناکامی ہوئی اور اگر اثر ہے تو اسی کا!! دنیا والے

خیال کریں گے کہ جب تک بادشاہوں میں قطب شاہی خون رہا سلطنت بچی رہی اور جہاں ایک غیر شخص کے سپرد کی گئی اس کو زوال آگیا۔ گویا ہم اس امانت کا بار نہیں اٹھا سکے۔ اگر ہم یہ امانت اپنے لڑکے شہزادہ خدابندہ تک پہنچا دیتے جس کی رگ رگ میں قطب شاہی خون دوڑ رہا ہے، تو ہم اپنے اس فرض سے سبکدوش ہو جاتے۔ یہی وجہ تھی کہ ہم نے آپ کی فوجوں کا مستعدی سے مقابلہ کیا اور آپ کو عرصے تک زحمتیں اٹھانی پڑیں۔ اگر اس ذمہ داری کا خیال نہ ہوتا تو پہلے ہی روز قلعے کے دروازے کھول دیے جاتے اور خلق اللہ کا اتنا خون بہنے نہ پاتا۔ انسان انہی امانتوں کی وجہ سے اتنا پریشان ہے اور یہی امانتیں تو ہیں جن کی بنا پر وہ اشرف المخلوقات کہلاتا ہے، اور شاید دنیا کا بادشاہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

——— (۳) ———

مغل شاہزادہ پر تاناشاہ کی قلندرانہ طبیعت اور بیباکانہ گفتگو کا بڑا اثر پڑا۔ اس نے شہنشاہ اورنگ زیب کی بارگاہ میں تاناشاہ کی بڑی تعریف کی۔ یہی وجہ تھی کہ اورنگ زیب نے تاناشاہ کو گوالیار کے قلعہ میں روانہ نہیں کیا جہاں تمام شہزادے اور بادشاہ قید کئے جاتے تھے اور جہاں چند ماہ قبل ہی بیجاپور کا بدنصیب بادشاہ سکندر عادل شاہ بھی نظر بند کر دیا گیا تھا۔

ادھر مغل فوجیں گولکنڈہ اور حیدرآباد کو تاخت و تاراج کرنے اور شاہی خزانوں اور دفینوں کی تلاش میں مصروف ہوئیں اور ادھر خانماں برباد تاناشاہ اور ان کا فرزند یعنی دودمان قطب شاہیہ کا آخری چشم و چراغ

خدابندہ (جس کو اورنگ زیب نے بندۂ سلطان کا خطاب عطا کیا تھا) اپنے آخری قید خانۂ دولت آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ تانا شاہ تو گولکنڈہ کو بھی قید خانہ ہی سمجھتے تھے۔ آزادوں کو حکمرانی اور سلطنت کی بندشوں سے کیا واسطہ؟

یہ بھی عجیب وقت تھا۔ کم عمر شہزادہ اپنے پڑنانا سلطان محمد قلی قطب شاہ کی بسائی ہوئی بستی سے ایک قیدی بن کر نکل رہا ہے۔ جس سرزمین میں اس کا خاندان سیکڑوں برس سے حکمراں تھا آج اس میں اس کو سر چھپانے تک کی جگہ نہیں۔ اپنے بزرگوں کی بنائی ہوئی عالی شان عمارتوں مثلاً چار مینار، بادشاہی عاشور خانہ، داد محل، دولت خانۂ عالی، چار محل، خداداد محل پر وہ حسرت سے نظر ڈال رہا ہے۔ اس کو نہیں معلوم کہ ان میں سے اکثر شاہی عمارتیں صرف چند روز کی مہمان ہیں اور بہت جلد فاتحین کا دست تعدّی ان کو کھنڈروں کی شکل میں منتقل کردیگا۔ یہ وہ عمارتیں تھیں جن کی تعمیر میں اس سرزمین کے کروڑوں روپیے صرف ہوئے تھے اور جن کو لاکھوں صنّاعوں نے سالہا سال میں بادشاہوں کے شایانِ شان بنایا تھا۔ یہ دکنی تمدن، شاہانہ عظمت اور فن تعمیر کے وہ بیش بہا خزانے تھے جن کی تباہی نے اس ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔

—— (۴) ——

شہزادہ اپنے ستم زدہ باپ کے روبرو ہاتھ باندھے مودب بیٹھا تھا۔ جیسے جیسے ان قیدیوں کا میانہ آگے کو بڑھتا جاتا تھا حیدرآباد کے گلی کوچے اور محلات ان کی نظروں کے سامنے آتے جا رہے تھے۔ جب شہر سے نکل کر

حسین ساگر کے تالاب پر پہنچے اور کٹہ پر سے گزرنے لگے تو شہزادہ کو تالاب کا پانی دیکھ کر پیاس معلوم ہونے لگی۔ اس نے باپ سے اس کا ذکر کیا۔ تاناشاہ کو اپنی عمر میں پہلی دفعہ ایسی پریشانی لاحق ہوئی۔ اس کے ساتھ آب خاصہ کے ملازم اور خدمتگار رہتے تھے۔ شہزادہ نے چاندی سونے کے برتنوں کے سوا کسی اور برتن میں پیا ہی نہ تھا۔

جیسے جیسے حسین ساگر کے کٹے پر بڑھتے جا رہے تھے تالاب سامنے آرہا تھا یہاں تک کہ شہزادہ کو پانی ہی پانی نظر آنے لگا اور اس منظر نے اس کی پیاس میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ اس نے پھر اپنے باپ سے اپنی تشنگی کا اظہار کیا تاناشاہ نے میانے سے باہر نظر ڈالی۔ ذرا جھک کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف ننگی تلواریں لئے ہوئے سپاہی ہی سپاہی نظر آئے۔ بادشاہ اسی طرح باہر کی طرف دیکھ رہے تھے کہ ان کو دور ایک سقہ نظر آیا جو فوجوں کے گذرنے وقت گرد و غبار کو روکنے کے لئے سڑک پر پانی چھڑکا کرتا تھا۔ بادشاہ نے قریب کے سوار کو اشارہ کیا کہ سقہ کو بلائے مغل سپاہی کئی ماہ کے محاصرہ کے دوران میں تاناشاہ کی قلندر منشی، بلند حوصلگی اور غریب پروری سے واقف ہو چکے تھے۔ اور اس کے اتنے گرویدہ ہو گئے تھے کہ ان میں سے اکثروں کی آرزو تھی کہ اس بے نیاز ہستی کی کوئی خدمت بجا لائیں

——(۵)——

غریب سقہ پریشان تھا کہ اس کے یہاں پانی پلانے کے لئے میانہ نشینوں کے شایانِ شان کوئی برتن نہیں ہے۔ بادشاہ نے اس مٹی کی کلھیا کی طرف اشارہ کیا جو اس کے بائیں ہاتھ میں تھی اور جس سے وہ غالباً سپاہیوں کو پانی پلاتا تھا۔ سقہ نے اسی مٹی کی کلھیا کو پانی سے بھر کر میانے میں بڑھا دیا۔

جب شہزادہ نے پانی پی کر سقہ کو کلھیا واپس کی تو تاناشاہ نے اپنی انگلی سے انگوٹھی نکال کر اس مٹی کی کلھیا میں ڈال دی۔ یہ آخری دولت تھی جو اتفاقاً آخری قطب شاہی تاجدار کے ساتھ گولکنڈے سے جا رہی تھی۔ اس کو دیدینے کے بعد تاناشاہ کے پاس گولکنڈہ اور حیدرآباد کے مشہور آفاق خزانوں کا ایک حبہ بھی نہیں رہا۔

غریب سقہ مٹی کی کلھیا میں روشنی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ تمام فوج میں یہ خبر مشہور ہوگئی۔ شہنشاہ اورنگ زیب کے جاسوس ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ انھوں نے شہنشاہ کو بھی اطلاع کی۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے سقہ کے لئے دو سو روپیہ روانہ کئے اور کئی ہزار کے ہیرے کی وہ انگوٹھی منگوالی۔

گولکنڈہ کے تاریخی آثار
کی
موجودہ حالت

قلعہ محمد نگر گولکنڈہ کے کھنڈروں اور آثار میں ایک رفیع المرتبت قوم کی صدیوں کی کشمکشِ حیات اور اس کی قابلِ رشک تہذیب و تمدن کی بے پایاں تاریخ مضمر ہے۔ قطب شاہوں کے زوال اور گولکنڈہ کی تباہی کو آج ڈھائی سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا لیکن اب تک اس کی عظمت کے آثار نمایاں ہیں اور وہ مقناطیسی کشش باقی ہے جس نے دکن کے اس کوہسار کو مختلف اقطاعِ عالم کے سیاحوں اور صاحبِ کمالوں کا مرکز اور گہوارہ بنا دیا تھا۔ اور اب بھی اس کا روح پرور ماحول اور خوشگوار فضا، اہلِ ذوق کو دور دور سے اس کی زیارت کے لیے کھینچ لاتی ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ قلعہ گولکنڈہ کی طرف سیر و سیاحت کے لئے کوئی نہ کوئی جماعت بڑھتی نہ دکھائی دیتی ہو۔

گولکنڈے میں داخل ہونے کے بعد ہر شخص کے قدم خود بخود اس کے فلک بوس بالا حصار کی طرف اٹھتے ہیں۔ یہ بالا حصار بجائے خود ایک قلعہ ہے اور اصل میں اس کی رفعت و استحکام سے متاثر ہو کر سلطان قلی قطب شاہ بانیٔ سلطنت نے اس کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا تھا لیکن اس کی آبادی اس سرعت کے ساتھ بڑھتی گئی کہ اس کے

اطراف ایک نیا شہر آباد کرنا پڑا اور اصل قلعہ کو صرف شاہی محلات اور کارخانوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا جس کا نام بالا حصار مشہور ہو گیا۔

اس بالا حصار میں چار پانچ چیزیں اس گئی گزری حالت میں بھی نہایت دلچسپ اور قابل توجہ ہیں۔ سب سے پہلے اس کوہسار کی بلند ترین چوٹی پر کی وہ مشہور دو منزلہ عمارت ہے جو عوام میں تاناشاہ کی گدّی کے نام سے مشہور ہے اور میلوں سے نظر آتی ہے۔ یہاں تک پہنچنے کے لئے سیکڑوں پختہ اور وسیع سیڑھیوں کی چڑھائی چڑھنی پڑتی ہے۔ اور جب ایک دفعہ کوئی اس بلندی پر پہنچ جاتا ہے تو اس کی نگاہ میں نشیب و فراز یکساں ہو جاتے ہیں۔ جو عمارتیں، گنبد، مینار اور پہاڑیاں شہر حیدر آباد اور قلعہ محمد نگر کے بسنے والوں کو نہایت بلند دکھائی دیتی ہیں بالا حصار پر سے ان کو دیکھئے تو ان کی ساری بلندیاں پستیوں میں منتقل ہوتی نظر آتی ہیں۔ کیا تعجب ہے کہ سلطان محمد قلی اور ابوالحسن تاناشاہ کی نظروں میں مسلمان اور ہندو اور شیعہ و سُنّی اسی وجہ سے برابر تھے کہ وہ ایک ایسی جگہ سے دیکھنے کے عادی ہو گئے تھے جہاں سے بلند و پست، نشیب و فراز یکساں تھے۔

دوسری چیز جو اس بالا حصار کے ہر سیاح کو متاثر کرتی ہے وہ چوٹی تک جانے والے زینہ دار راستہ پر باؤلیوں، مسجدوں اور مندروں کا سلسلہ ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ قطب شاہوں کو اپنی ہر مذہب و ملّت کی رعایا اور ملازمین کے آرام و آسایش اور پاسداری کا کتنا خیال تھا۔ خاص بادشاہی احاطہ میں محلات اور شاہی نشست گاہ کے قریب مندروں کا پایا جانا بے نظیر مذہبی رواداری کا بہترین ثبوت ہے۔

تیسری چیز نگینہ باغ ہے جو بالا حصار کے دروازے میں داخل ہوتے ہی سیدھی طرف ملتا ہے اور جس کا تذکرہ وفا شعاری اور دیانت کی تاریخ میں ہمیشہ نمایاں رہے گا۔ اس کی شکستہ روشیں اور تالاب نما باؤلی اب بھی اس قدیم منظر کو یاد دلاتی ہے جو قطب شاہوں کے ذوق کا ایک لاجواب نمونہ تھا۔ اسی باغ میں مشہورِ آفاق اور وفاکیش سپہ سالار عبدالرزاق لاری زخموں میں چور پایا گیا تھا۔ اور اسی میں بالا حصار کا وہ خفیہ دروازہ بھی ہے جو ضرورت کے وقت محصورین کے کام آتا تھا۔

نگینہ باغ کے بالکل مقابل یعنی بالا حصار کے دروازے میں داخل ہوتے ہی بائیں جانب جو بلند عمارتیں نظر آتی ہیں وہ شاہی محلات اور کارخانہ جات سے متعلق ہیں۔ ان میں بعض پانچ پانچ چھ چھ منزلہ ہیں یہ عمارتیں کچھ اس طرح بنائی گئی تھیں کہ نئے شخص کی ان پر نظر بھی نہیں پڑ سکتی۔ لیکن ایک دفعہ ان میں داخل ہو جائیے تو حرم سراؤں کی اس وسیع اور روحانی فضا سے نکلنا دشوار ہو جائے۔ بعض محل اب تک اچھی حالت میں ہیں اور قدیم شاہی فرودگاہوں کے باقی ماندہ آثار ہونے کی وجہ سے نہایت اہم اور قابلِ حفاظت ہیں۔ تسخیرِ گولکنڈہ کے وقت مغلوں کا پہلا گولہ انہی محلات میں گرا تھا کیونکہ حملہ آوروں کا خیال تھا کہ محلات پر گولہ باری کی جاوے گی تو نازنینانِ حرم بادشاہ کو مجبور کر کے قلعہ کے دروازے کھلوا دیں گی۔

ان وسیع محلات کے تہہ خانوں، حماموں اور بالائی منزلوں کے حوضوں کے آثار بجائے خود عظیم الشان ہیں اور دیکھنے والے کو خاص طور پر

متاثر کرتے ہیں۔ انہی محلات کے بیرونی صحن میں وہ وسیع حوض نما باؤلی ہے جس میں گر کر تاناشاہ کے بالاحصار سے نکلتے ہی شاہی حرم کی عفت مآبوں نے خودکشی کرلی تھی اور اس میں مغلوں کو بیسیوں مہ جبینوں کی لاشیں مچھلیوں کی طرح تڑپتی ہوئی ملی تھیں۔

چوتھی چیز جس کو دیکھ کر بالاحصار کی سیر کرنے والے متحیر رہ جاتے ہیں پانی کا ایک غیر معمولی انتظام ہے۔ بلند سے بلند عمارت اور پہاڑی کی اونچی سے اونچی چوٹی بھی پانی کے انتظام سے محروم نہیں رہی ہے۔ شاہی محلات میں ہر منزل پر پانی پہنچایا گیا تھا اور سب سے اوپر کی چاندنی پر حوض بنائے گئے تھے۔ ان کے آثار اس وقت تک موجود ہیں۔ پانی کے مضبوط اور چوڑے نل ہر جگہ دیواروں میں اب بھی نظر آتے ہیں۔

بالاحصار کے اصل دروازے تک پہنچنے سے کچھ قبل لنگر حوض کی طرف سے آتے ہوئے راستے کے دونوں طرف دو بلند برج نما کماندار عمارتیں نظر آتی ہیں۔ یہ حبشی سپاہیوں کی نشست تھی اس کے اوپر شاہی نقارخانہ بھی تھا۔ یہ دونوں طاق نہایت عظیم الشان اور نقش و نگار سے آراستہ ہیں سیدھی طرف کے طاق کے محاذی سڑک پر جو چبوترہ سا بنا ہوا ہے وہ اصل میں ان وفادار حبشیوں کی قبر ہے جنھوں نے آخر وقت تک شکست نہ مانی اور اپنے آقا پر قربان ہوگئے۔ یہاں پہلے ایک کنواں تھا جو ان وفا پیشہ حبشیوں کی پیاس ان کی زندگی میں بجھایا کرتا تھا اور عجیب بات ہے کہ آخر وقت میں بھی اسی کنوئیں نے ان کے ذوق فنا کو بھی سیراب کیا۔ مغل فوجیوں نے ان کی بیویوں

اور بچوں کی تڑپتی ہوئی لاشوں کو اسی کنویں میں ڈال کر اپنے لئے بالاحصار کے اندرونی دروازے تک پہنچنے کا راستہ صاف کر لیا تھا۔

ان بلند طاقوں والے نقارخانہ سے گزر کر بائیں طرف پلٹیے تو بالاحصار کی بیرونی فصیل کے ساتھ ہی شاہی محلات کے جھروکے کے نیچے جلوخانۂ عالی کا وہ وسیع میدان نظر آتا ہے جس میں شاہی سلامی کے لئے قطب شاہی فوجیں جمع ہوا کرتی تھیں۔ اس جلوخانہ میں اس اونچی کمان میں سے فوجیں داخل ہوتی تھیں جو شاہی جھروکے کے عین مقابل میدان کے دوسری جانب بوسیدہ حالت میں موجود ہے۔ اس کمان میں پہنچتے ہی سپاہیوں کی نظر پہلے اس مسجد پر پڑتی تھی جو اس جلوخانے کے وسط میں بنائی گئی تھی اور جس کے شکستہ در و دیوار اب تک باقی ہیں۔ اس مسجد کے بالکل پیچھے بالاحصار کی فصیل کے اوپر شاہی جھروکے کے آثار ہیں جہاں سے بادشاہ سلامی لیا کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خانوادۂ قطب شاہیہ کے خدا پرست بادشاہوں نے انتظام کیا تھا کہ فوج کی سلامی ظل اللہ کے ساتھ ساتھ خدائے تعالیٰ تک پہنچے کیونکہ صحیح معنوں میں ہر بندگی اور اظہار نیاز خدا ہی کی بارگاہ کے لئے سزاوار ہے۔ کمان، مسجد اور شاہی جھروکہ، تینوں اس اہتمام سے بنائے گئے ہیں کہ کمان میں داخل ہو کر شاہی جھروکہ کے مقابل ہونے کے لئے مسجد تک بڑھ کر سامنے کھڑا ہونا ضروری ہے۔

جلوخانہ عالی سے جنوب کی طرف قلعہ کی جو فصیل نظر آتی ہے۔ اسی میں وہ مشہور و معروف کا غذی برج ہے جس کو منہدم کرنے کے لئے محاصرین کو

بڑی دقتیں اٹھانی پڑی تھیں اور فتح گولکنڈہ سے ایک روز قبل جب انھوں نے اس کو بہت کچھ مسمار کردیا تو قطب شاہی نقاشوں اور صنعت گروں نے اس کو راتوں رات کا غذ اور کپڑے سے تیار کردیا تھا۔ برج کیا ہے؟ ایک چھوٹی سی گڑھی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کو خاص طور پر آراستہ کیا گیا تھا۔ اس کی برجیاں، کمانیں اور ستون نہایت صاف اور بہترین پتھر سے تراشے گئے ہیں اس کا زیادہ تر حصہ منہدم ہوگیا لیکن باقی ماندہ آثار سے اس کی اصلی شان و شوکت اب بھی نمایاں ہے۔ اگرچہ مغلیہ عملداری میں اس کی مرمت کی گئی تھی لیکن یہ علانیہ ایک بدنما پیوند معلوم ہوتی ہے۔ کاغذی برج سے کچھ فاصلہ پر موسیٰ برج بھی نظر سے گزرتا ہے جس کے کتبے کو تاریخ گولکنڈہ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

موسیٰ برج اور فتح دروازے کے درمیان کئی عالیشان عمارتوں کے کھنڈر دکھائی دیتے ہیں جن میں "دیوان کا محل" بہت کچھ محفوظ ہے اور ضرورت ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے مشہور ہے کہ گولکنڈہ کا احسان فراموش وزیر اعظم محمد سعید میر جملہ ابتداءً اسی میں رہتا تھا اور پھر تانا شاہ کے عہد میں مشہور دیوان اکنا مادنا بھی اسی میں قیام پذیر تھے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اسی ایک محل کے سایہ میں دو مختلف فطرت کے وزیروں نے دن گزارے ہیں۔ اسی محل میں میر جملہ نے اپنے فائدہ کے لئے ملک و مالک کو نقصان پہنچانے کے منصوبے باندھے تھے اور اسی محل میں گولکنڈہ کے آخری وزراء اکنا مادنا نے ملک و مالک کی راہ میں اپنی جانیں قربان کردیں۔

حبشیوں کی مذکورۂ بالا "نشست" سے ملحق جانب شمال مسجد صفا اور اس کے برابر حلبی حویلی سے لگی ہوئی عاشور خانہ کی عمارت ہے۔ مسجد صفا گولکنڈہ کی وہ مشہور قدیم ترین جامع مسجد ہے جو قطب شاہی سلطنت کے بانی سلطان قلی کی وفا شعاری اور آقا پرستی کا زندہ جاوید ثبوت ہے۔ اس کے کتبہ کو خاص تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں محراب کے قریب گولکنڈہ کا پہلا بادشاہ ننانوے سال کا بوڑھا سلطان قلی قطب شاہ عین حالتِ سجدہ میں شہید کیا گیا تھا۔

عاشور خانہ کی وسطی عمارت اب باقی نہیں ہے لیکن اس کے اطراف کے کمرے اور دالان محفوظ ہیں جن میں آج کل گولکنڈہ کا سرکاری مدرسہ ہے۔ عاشور خانہ کی اصل عمارت غالباً لکڑی کے بلند اور منقش ستونوں پر قائم تھی جن کے آثار اب تک باقی ہیں۔ دالان کے سامنے ایک ایک پتھر سے ترشی ہوئی بڑی بڑی کشتیاں حوض اور برتن اب بھی اصلی جگہ پر رکھے ہوئے ہیں۔ عقبی کمروں میں لکڑی کے تمام شکستہ جہاز، خوشنما عود دان اور دیگر سامان پڑا ہوا ہے۔

عاشور خانے سے ذرا پیچھے ہٹ کر ہاتھیوں کا کوٹھا ہے جو ایک حد تک صحیح وسالم موجود ہے۔ اس کوٹھے کے عقب میں شاہی شتر خانہ تھا لیکن اب اس جگہ فوجی دواخانہ اور ڈاکٹر کا مکان بن گیا ہے۔

ہاتھی کوٹھے اور عاشور خانہ کے درمیان جو اونچا دروازہ اور نقار خانہ وغیرہ ہے وہ موتی محل کے عقبی حصہ سے متعلق ہے۔ قدیم زمانے میں یہی اصلی قطب شاہی محل کا بڑا دروازہ تھا لیکن آصفی دور میں جہاں اس قدیم شاہی محل میں اور بہت سی ترمیمیں کی گئیں یہ دروازہ بھی بیکار ہو گیا اور شمالی رخ پر

جو دروازہ ہے اس کو اصل دروازہ قرار دے کر اس کے سامنے جلوخانہ وغیرہ تعمیر کر دیا گیا۔ آج کل اسی دروازے سے سیر کرنے والے ان محلات میں داخل ہوتے ہیں اور ہاتھی کوٹھے کے قریب کا دروازہ ہمیشہ بند رہتا ہے۔ اسی طرف کے حصہ میں نواب مبارز الدولہ بہادر برادرِ حضرت آصفجاہ رابع نظر بند کئے گئے تھے۔ موتی محل کے متعدد حصے اب بھی رہائش کے قابل ہیں۔ یہ ایک محل نہیں بلکہ نو محلات کا مجموعہ ہے جس میں بعض خاص محل اور دیوان خانے اچھی حالت میں ہیں۔

مسجد صفا اور عاشور خانہ کے عقب سے جو سڑک جانب مغرب جاتی ہے اس کے ختم پر وہ زبردست برج ہے جس پر فتح رہبر توپ رکھی ہوئی ہے اور جہاں سے قطب شاہی گنبدوں اور بالا حصار کے عقبی حصہ کا نہایت دلکش منظر دکھائی دیتا ہے۔ اس برج کے راستہ میں ایک فوجی کوٹھا، مسجد اور باؤلی بھی قابل دید ہے۔ جہاں سے جنازے قلعہ کے باہر نکالے جاتے تھے۔

اسی سڑک کے جانب شمال اس باغ کے آثار بھی موجود ہیں جس میں ریشم کے کیڑوں کی پرورش کی جاتی تھی اور گولکنڈے کے ریشم کے کارخانے تھے۔ اس سڑک سے گنبدوں کی طرف جانے کے لئے جو راستہ نکلتا ہے اسی پر وہ تالاب نما کٹورا حوض واقع ہے جو غیر معمولی وسعت اور تعمیری خوبیوں کے لحاظ سے دنیا کے بزرگ ترین حوضوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ گولکنڈہ کے خوش طبعوں نے ایک ایسے وسیع حوض کا نام "کٹورا حوض" قرار دے کر اپنی عالی ہمتی کا خوب ثبوت دیا ہے۔ جو قوم اتنے بڑے حوض کو ایک کٹورا حوض سمجھے اس کے نزدیک ایک واقعی بڑا حوض کتنا بڑا ہوسکتا ہے!! اس حوض کے متعلق عوام میں عجیب وغریب

قصے اب تک مشہور ہیں۔

قلعہ گولکنڈہ کے ان قابل دید مقامات کے بعد سیر کرنے والے نئے قلعہ کا رُخ کرتے ہیں نیا قلعہ اصل میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں تعمیر کیا گیا تھا جب میر جملہ کی سازش سے اورنگ زیب نے پہلی دفعہ گولکنڈہ پر حملہ کیا تو اسی مقام پر اپنے مورچے قائم کئے تھے۔ یہ ایسی اہم جگہ ہے کہ یہاں سے گولہ باری کی جائے تو قلعہ کی آبادی کو بُری طرح نقصان پہنچ سکتا ہے۔ جب اورنگ زیب سے صلح ہوگئی تو سلطان عبداللہ قطب شاہ نے مغلوں کے مورچوں اور برج کے اطراف فصیل بنا کر اس مقام کو بھی قدیم قلعہ سے ملا دیا اور اس نئی فصیل میں ایک برج اتنا بلند اور مستحکم بنایا گیا کہ دشمن اس طرف سے حملہ کرنے کی جرأت ہی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ جب شہنشاہ اورنگ زیب نے دوبارہ تانا شاہ کے عہد میں گولکنڈہ پر چڑھائی کی تو اس دفعہ اُس کا رُخ بالکل چھوڑ دیا اور جنوب کی طرف سے حملہ آور ہوا۔

اس رفیع الشان برج کے علاوہ نئے قلعہ میں اور دو تین چیزیں دلچسپ ہیں۔ ایک تو بارہ دری ہے جس میں متعدد عالیشان حوض بنائے گئے ہیں جو ایک ہی سلسلہ میں دور تک چلے گئے ہیں۔ یہ نہایت فرحت کا مقام تھا اور قطب شاہی عہد میں اہل گولکنڈہ کی بہترین تفریح گاہ سمجھا جاتا تھا۔ اس بارہ دری میں حضرت آصفجاہ ثانی بھی اکثر تفریح کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اس بارہ دری پر ایک مضمون "غیبی امدادی" میں ہم نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

نئے قلعہ کا "تھیان کا درخت" بھی بے حد مشہور ہے اور گولکنڈہ کا

ہر اجنبی سیاح اس کو دیکھے بغیر قلعہ سے واپس نہیں لوٹتا۔ اس کا پیڑ بالکل پہاڑ نما ہے یہ ایک سو سولہ فٹ چوڑا ہے۔ اگر اس کے ایک طرف کھڑے ہوکر باآواز بلند گفتگو کی جائے تو دوسری طرف سنائی نہیں دیتی اس کے پوست پر ہاتھی کی کھال کی طرح جھریاں پڑی ہوئی ہیں اور جہاں جہاں سے شاخیں نکلی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھی سونڈ اُٹھائے کھڑے ہیں۔ شاید اسی لئے اس کو ہتھیان کا درخت کہتے ہیں۔ اس پیڑ کے اندر پچاس فٹ مربع رقبہ کا ایک کھوکھلا حصہ ہے جو بالکل گنبد کی طرح بن گیا ہے اس کی تفصیل ہم نے ایک مضمون "کھویا ہوا چاند" میں بھی بیان کی ہے۔

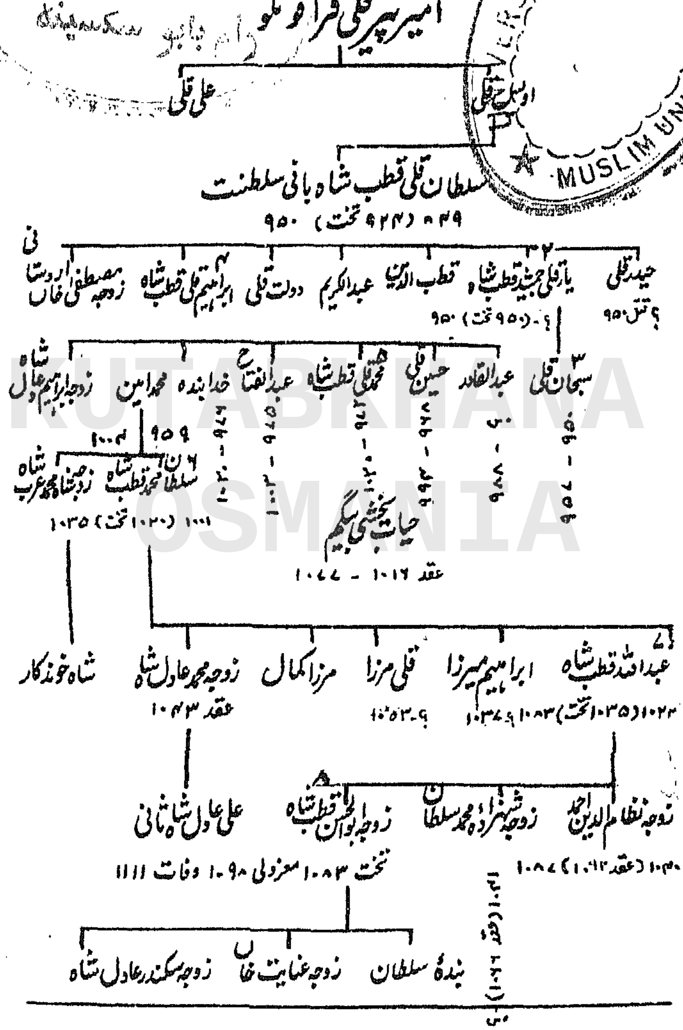
ہتھیان کے درخت کے قریب ایک دومنزلہ مسجد ہے جس کی نیچے کی منزل مسافر خانہ یا خانقاہ کا کام دیتی ہوگی۔ اس مسجد کے دروازہ پر نہایت پاکیزہ خط میں متعدد کتبے لگے ہوئے تھے جو اب گرگئے ہیں اور سیڑھیوں کے قریب موجود ہیں بہت ممکن ہے کہ یہ مسجد اور نیچے کے کمرے ان لوگوں کی آسائش کے لئے بنائے گئے ہوں جو آئے دن اس عجیب درخت کے تماشے کے لئے آتے رہتے ہیں۔ نئے قلعہ میں ایک اور خوب صورت قطب شاہی مسجد اورنگ زیبی برج کے قریب واقع ہے یہ نہایت سلیقہ سے بنائی گئی تھی۔ اس کی چار دیواری اور کمانوں اور دروازوں کے لئے خاص اہتمام سے پتھر تراشا گیا تھا۔

بالاحصار، قلعہ محمد نگر، اور نئے قلعہ میں اور سیکڑوں دلچسپیاں اور یادگار تاریخی آثار ہیں، اور ان سے زیادہ یہ چیزیں قلعہ کی فصیلوں کے باہر دور تک

پھیلی ہوئی ہیں لیکن کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہیں۔ مہذب ممالک میں اسلاف کی اسی قسم کی بیش بہا یادگاروں کی حفاظت اور ان سے استفادہ کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی ان امور کی طرف ابھی ابھی توجہ شروع ہوئی ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ گولکنڈہ کے آثار اگر یورپی ممالک کے قدیم آثار نہیں تو کم از کم برطانوی ہند کے قدیم آثار کی طرح محفوظ ہو جائیں گے اور ماہرین فن اور تاریخ داں ان کے متعلق ابنائے وطن کو تفصیلی معلومات سے آگاہ کرتے رہیں گے۔

بیرون قلعہ کے آثار میں قطب شاہی گنبد سب سے زیادہ محفوظ اور اچھی حالت میں ہیں۔ اُن کی حسن کارانہ خوبیوں، تعمیری خصوصیات، اور سنگرنیف آثار کی خوش منظری اور پرلطف فضا کے متعلق کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ روئے زمین پر کم مقام ایسے ہیں جہاں ایک ہی احاطہ میں اس کثرت سے اور ایسے عالیشان گنبد موجود ہوں۔ اسی طرح بہت کم شاہی خاندان ایسے ہوں گے جن کے تمام افراد کی قبریں قطب شاہی مقبروں کی طرح ایک ہی جگہ پر واقع ہوں۔ یہ مقبرے اپنی تعمیری گوناگونیوں، اور ساخت وضع قطع، اور نقش و نگار کے تنوع کی وجہ سے نہ صرف سطحی نظر سے سیر و سیاحت کرنے والے کے لئے بے انتہا دلچسپی کے سامان پیدا کرتے ہیں بلکہ ماہرین فن کے لئے بھی ہمیشہ استفادہ اور تحقیق و غور و خوص کا باعث بنے رہیں گے۔

شجرہ خاندان قطب شاہیہ



جناب ڈاکٹر زور صاحب کی گولکنڈہ سے متعلق دوسری کتابیں

۱۔ گولکنڈے کے ہیرے ۔ ۱۲ افسانے ۸ تصاویر ۱۴۶ صفحات

قیمت مجلد ۱۲ار (سیر گولکنڈہ کا دوسرا حصہ)

گولکنڈے کے ہیرے تمام دنیا میں مشہور ہیں ان کی قدر و قیمت چمک دمک ہر زمانے میں باقی رہی اور ہمیشہ باقی رہے گی۔ ان کی طرح گولکنڈہ کے اکثر کردار بھی ہیروں سے کم نہ تھے ان دونوں کے دلچسپ قصے اس کتاب میں درج ہیں اس مجموعے کے ہر فسانے کے پڑھنے میں اتنی ہی خوشی ہوتی ہے جتنی کے ہیرے ملجانے پر ہوگی۔ گولکنڈہ کی کوئی سیر و تفریح اس کتاب کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی جو گولکنڈہ دیکھ چکے ہیں وہ جب یہ افسانے پڑھتے ہیں تو محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا۔ اور جنھوں نے کبھی گولکنڈہ کی سیر نہیں کی ان کے دل میں ان کو پڑھنے کے بعد گولکنڈہ کی سیر کی اُمنگیں موجزن ہوتی ہیں۔

سوانح محمد قلی قطب شاہ | حیدرآباد کے بانی اور اُردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر اور سلسلۂ رفیعۂ

قطب شاہیہ کے پانچویں حکمراں سلطان محمد قلی قطب شاہ کی حیات اور کارناموں کا مفصل تذکرہ ہے۔ یہ کتاب تاریخی اور ادبی حیثیتوں سے ایک بڑا کارنامہ ہے۔ جناب ڈاکٹر زور صاحب نے برسوں کی تحقیق اور کاوش کے بعد یہ کتاب تحریر فرمائی ہے تاریخی واقعات کو اپنے خاص ادبی انداز میں اس طرح دلچسپ بنا کر پیش کیا ہے کہ کتاب بغیر ختم ہوئے ہاتھ سے نہیں چھوٹتی۔ تاریخی آثار کی کئی تصاویر بھی شریک ہیں جس سے کتاب کی دلکشی بڑھ گئی ہے۔ جلد کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک خوشنما گرد پوش لگایا ہے۔ طباعت و کتابت دیدہ زیب صفحات (۵۰۰) قیمت مجلد (صہ)

۴) **میر محمد مومن** | سلطنت قطب شاہیہ کے مشہور پیشوا سلطان محمد قلی قطب شاہ کے وزیر اعظم حیدرآباد کے مشہور تعمیر کار اور مصلح اور بانی دائرہ میر مومن کے حالات زندگی اور علمی و رفاہی اور سیاسی کارناموں کا مفصل تذکرہ ہے جس کو جناب ڈاکٹر **سید محی الدین صاحب قادری زور** صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ نے مرتب کرکے ادارہ کی طرف سے شائع کیا ہے۔ یہ ضخیم کتاب (۳۰۰) سے زیادہ صفحات اور (۴۴) عکسی تصاویر پر مشتمل ہے۔ دکن کی علمی و سیاسی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حیدرآباد کے اس سابق وزیر اعظم کے کارناموں کے مطالعہ سے مفید معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

کتابت طباعت دیدہ زیب قیمت مجلد عا

ملنے کا پتہ:۔ سب رس کتاب گھر خیرت آباد حیدرآباد دکن

DUE DATE